شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مجاہدانہ مکتوب گرامی
دعوت و عزیمت
یعنی
جہاد بالقلم والسیف والسنان
کی روداد و تلقین
ترجمہ
پروفیسر چوہدری عبدالحفیظ
انجینیرنگ یونیورسٹی لاہور
www.KitaboSunnat.com
شائع کردہ
بیگم رضیہ شریف ٹرسٹ
۲۴۳۔ شادمان کالونی۔ لاہور

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مُجاہدانہ مکتوبِ گرامی

دعوت و عزیمت

یعنی

جہاد بالقلمِ والسیف والسنان

کی رُوداد و تلقین

ترجمہ

پروفیسر چوہدری عبدالحفیظ

انجینیرنگ یونیورسٹی لاہور

شائع کردہ

بیگم رضیہ شریف ٹرسٹ

۲۴۶۔ شادمان کالونی۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ———— دعوت عزیمت

مصنف ———— امام ابن تیمیہؒ

ترجمہ ———— پروفیسر چوہدری عبدالحفیظ
انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور

ناشر ———— بیگم رضیہ شریف ٹرسٹ
۴۴۔ شادمان کالونی لاہور

قیمت ———— -/۹ روپے

ملنے کے پتے

۱۔ نعمانی کتب خانہ۔ حق سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

۲۔ المکتبۃ السلفیہ۔ شیش محل روڈ۔ لاہور

۳۔ دفتر جماعت مجاہدین۔ ۹۔ شارع فاطمہ جناح۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تقریظ

یہ خط اس سے پہلے ہفت روزہ ، "اہلحدیث" میں پندرہ قسطوں میں شائع ہو چکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پروفیسر عبدالحفیظ صاحب حضرت امام ابن تیمیہؒ سے گہرا شغف رکھتے ہیں بلکہ ابن تیمیہؒ کے شناسا بھی ہیں۔ مسئلہ توحید ، مقامِ رسالت ، عصری مسائل کے سلسلے میں کتاب و سنت کی مناسب تعبیر ، بدعات کی رمز شناسی اور معارف قرآن کے بارے میں امام موصوف کی کاوشوں کو پروفیسر صاحب ملہم من اللہ اور حق تعالیٰ کا خصوصی فیضان تصور کرتے ہیں ۔ ان کا نظریہ ہے کہ ابن تیمیہؒ اس آیت کا اچھا مظہر تھے :

«فمن یُرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ لِلّاسلام» (الانعام : ۱۲۶)

(اللہ جسے چاہتا ہے کہ اُسے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دے تو اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے) ۔

پروفیسر صاحب نے امام موصوف کے جن مضامین کا ترجمہ پیش کیا ہے ، موضوع کے لحاظ سے وہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں ۔ ان سے امام صاحبؒ کی شخصیت کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے ۔ امام صاحبؒ صرف زبان اور قلم کے غازی ہی نہ تھے بلکہ وہ صاحب سیف و سنان بھی تھے ، جنھوں نے محراب و منبر کے ساتھ اچھے سپاہی اور مجاہد کی طرح میدان کار زار میں بھی داد شجاعت دی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کے خط کے مطالعہ سے قارئین کو پتہ چلے گا کہ ابن تیمیہؒ کیسی سیماب صفت شخصیت تھے ۔ جہاد کی تڑپ اور لگن ان کی رگ رگ اور نس نس میں رچی بسی تھی ۔ قرآن و سنت کی ایسی تعبیر جو وقت اور حالات پر منطبق

ہوتی ہو یہ امام صاحبؒ کا خاص ملکہ تھا اور اس سلسلے میں انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے قرآن فہمی کا وافر حصہ میسر آیا تھا ۔ اس تطبیق کا حسین عکس بھی ابن تیمیہؒ کے اس خط میں دیکھنے کو ملے گا ۔ ابن تیمیہؒ علم و فضل کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھے ۔ ان کی تحریر کا مطالعہ علماء وفضلاء کیلئے روح پرور اور کیف آگیں ہے ۔ طالب علموں کے ذہنوں کو جلا بخشتا ہے اور عامۃ الناس کیلئے صراط مستقیم کی راہنمائی کا ضامن ہے ۔ اس خط میں اہمیتِ جہاد اور فضیلتِ جہاد کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کیلئے قیامت تک کے لئے جہاد ، کامیابیوں اور کامرانیوں کی جسطرح ضمانت مہیا کرتا ہے ، اس پر سیر حاصل بحث ہے ۔ فی زمانہ جہاد افغانستان کے تناظر میں ایک دفعہ پھر امت مسلمہ کو جہاد کی اہمیت کا بھولا ہوا سبق یاد آیا ہے ۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ ابن تیمیہؒ کا یہ خط منظر عام پر آئے ۔ یقیناً ان حالات میں یہ خط جہاد کے لئے مہمیز ثابت ہو گا ۔ پروفیسر صاحب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اہلِ اسلام کی خاطر یہ خدمت سرانجام دی ۔

جزاہُ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء،

پروفیسر چوہدری عبدالحفیظ صاحب کا ترجمہ نقل مطابق اصل ہے ۔ اس میں یہ خوبی بھی ہے کہ جہاں وہ بامحاورہ ترجمہ ہے وہاں اسے قوسین یا ذیلی سرخیوں کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو وہ "ترجمانی" کا اچھوتا مرقع بھی ثابت ہوتا ہے ۔ خط کے شروع میں پروفیسر صاحب نے خط کا پس منظر بیان کرنے کیلئے ایک جامع مگر مختصر مقدمہ بھی تحریر کیا ہے جو اس دور کی تصویر پیش کرتا ہے ۔

پروفیسر صاحب علامہ ابن تیمیہؒ کے تفسیری پہلو پر مقالہ لکھ رہے ہیں جو انشاء اللہ دیدنی ہو گا ۔ احباب اہلِ علم بخوبی واقف ہیں کہ پروفیسر عبدالحفیظ صاحب پروفیسر سید ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی شاگردوں میں شامل ہیں، انہیں صرف شاگردی کا ہی نہیں بلکہ ان کے رفیق کار ہونے کا شرف بھی حاصل ہے ۔ سید صاحبؒ کی خصوصی محفلوں کے فیض یافتہ ہیں اور سید صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کا قرب اُن سے زیادہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں رہا ۔ پروفیسر سید ابوبکر غزنویؒ کو ابن تیمیہؒ سے خاص نسبت تھی ، اور یہ انکی خصوصی تربیت اور فیضانِ صحبت کا نتیجہ ہے کہ پروفیسر عبدالحفیظ صاحب نے حضرت امام ابن تیمیہؒ کو سمجھنے کی یہ سعادت حاصل کی ہے ۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

دُعا ہے کہ اللہ مترجم کو اس کا اجر جزیل عطا فرمائے اور قارئین کرام کو اس خط سے کسبِ فیض کی توفیق ارزانی کرے (آمین) وما ذلک علی اللہ بعزیز

(حضرت مولانا) عزیز زبیدی ،
نیا کرول ، شالیمار ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابنِ تیمیہؒ کی شخصیت عالمِ اسلام کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہیں تاتاریوں کی بربریت کے خلاف "جہاد بالقلم والسیف والسنان" کا علم سب سے پہلے انہوں نے ہی بلند کیا۔ عین اس وقت جب مصر و شام پر سراسیمگی کے بادل چھائے ہوئے تھے، ابنِ تیمیہؒ نے ایک خط لکھ کر وقت کے حکمرانوں اور عوام کو جہاد کی ترغیب دی جس کے نتیجے میں عالم اسلام کو تاتاریوں کی بربریت سے چھٹکارا نصیب ہوا ابنِ تیمیہؒ کی یہ صفت ہے کہ وہ قرآن مجید کی ایسی تفسیر پیش کرتے ہیں جو حالات و واقعات پر عین منطبق ہوتی ہے۔ ان کی اس تفسیر کا نمونہ موجودہ خط میں دیکھنے کو ملے گا۔

محترمی و مکرمی جناب ڈاکٹر محمد راشد رندھاوا صاحب کا شکر گذار ہوں جن کی مساعی جمیلہ کی بدولت "بیگم رضیہ شریف ٹرسٹ" کو یہ خط شائع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کے مال و جان اور آل اولاد میں بے پناہ برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

عبدالحفیظ عفی عنہ
انجینئرنگ یونیورسٹی۔ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مقدمہ

تاتاری

وسط ایشیا کی اسلامی سلطنتوں کیلئے ساتویں ہجری کا زمانہ بہت ہولناک ، حوصلہ شکن اور تباہ کن سیلاب بلا بن کر آیا تھا ۔ قراقرم کے سربلند پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیوں سے تاتاریوں کا سیلاب بلا ایسا امڈا کہ اس نے اسلامی سلطنتوں کی بنیادیں ہلا دیں ۔ تاتار صحرائے گوبی.(منگولیا ۔ چین) کے رہنے والے تھے ۔ بے آب وگیاہ صحرائی زندگی کے یہ بادیہ گرد شہروں کی آسودہ زندگی ، قدرت کی لطافتوں اور رنگینیوں سے محروم اور تہذیب و تمدن کی نزاکتوں سے بے خبر بھیڑیے ، وحشیانہ زندگی بسر کرتے ، کتے اور بلی جیسے جانوروں کا گوشت بھی کھا جاتے ۔ انسانی آبادی کے لیے خونخوار درندے ۔ تاتاریوں کے اس طوفان بدتمیزی کے ہاتھوں اسلامی تہذیب و تمدن کے پرخچے اڑ گئے ۔ اپنے جلو میں قتل و غارت گری ، تباہی و بربادی ، آہیں ، آنسو اور سسکیاں لئے اس طوفان نے آناً فاناً سارے عالمِ اسلام کو اپنے نرغہ میں لے لیا ۔ تاتاریوں کے اس ٹڈی دل نے ترکستان کی خوارزم شاہی جیسی عظیم سلطنت کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی ۔

خوئے بد را بہانہ بسیار

تاتاریوں کی وحشت اور بربریت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ترکستان کا علاقہ اُن دنوں ایک بہت طاقتور حکمران سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ

کے قبضہ میں تھا ۔ چنگیز خاں نے ابھی تک اسلامی ملکوں کو اپنی ملک گیری کی ہوس کا نشانہ نہیں بنایا تھا بلکہ ایک معاہدے کی رو سے خوارزم شاہ کے ساتھ اس کے تجارتی تعلقات تھے ۔ لیکن ایک افسوس ناک حادثہ نے صورت حال کو یکسر بدل دیا اور چنگیزخاں ایک بلائے ناگہانی بن کر عالمِ اسلام پر ٹوٹ پڑا ۔ ۶۱۵ھ میں تاتاریوں کا ایک قافلہ خوارزم شاہ کی حدود سے گزر رہا تھا تو علاقہ 'اترار' کے حاکم نے ان تاتاریوں کو جاسوس سمجھتے ہوئے گرفتار کر لیا اور خوارزم شاہ کی اجازت سے انہیں قتل کر دیا ۔ اس واقعہ کی خبر چنگیزخاں کو ہوئی تو اس نے خوارزم شاہ سے مطالبہ کیا کہ ضبط شدہ مال واپس کیا جائے تاکہ مقتولین کا اس سے بدلہ لیا جا سکے ۔ علاؤالدین کی حماقت کہ اس نے چنگیزخاں کے سفیر کو بھی قتل کر دیا ۔ اس پر چنگیزخاں کے دل میں آتش انتقام بھڑک اٹھی ۔ اس نے ترکستان کا رُخ کیا اور راستے میں آنے والے شہروں مثلاً ہرات ، بلخ ، بخارا اور سمرقند جیسے عظیم اور مردم خیز علاقوں کو روندتا ، گرجتا، برستا اور جیتتا ہوا آگے نکل گیا ۔ ہرات کی کل آبادی ایک لاکھ تھی اس میں سے ساٹھ ہزار کو تہ تیغ اور باقیوں کو اپنا غلام بنا لیا ۔ بلخ بخارا اور سمرقند کے مسلمانوں کا بھی یہی حال کیا ۔ ان کے گھروں کو جلا دیا جو زندہ بچے وہ غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ علاؤالدین کے بیٹے جلال الدین نے تاتاریوں کا بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن تاتاریوں کے سیل رواں کے سامنے اس کی کچھ پیش نہ گئی ۔ اس نے خوارزم چھوڑ کر ہندوستان کی طرف رُخ کیا ۔ چنگیزخاں نے خوارزم میں بھی تقریباً ایک لاکھ انسانوں کو قتل کر کے ان کے سروں کے مینار بنائے ۔ بقیہ آبادی کو غلام اور شہر کو لوٹ کر ویران کر دیا ۔ غزنہ اور غور کو خالی پا کر پوری آبادی کا صفایا کر دیا ۔ دونوں شہروں کو ویرانوں میں بدل دیا ۔

اِک آگ کی بارش ہوتی ہے ہستی کے حسین ایوانوں پر
جب بھول کے اپنی فطرت کو انسان خدا ہو جاتا ہے

چنگیزخاں کی وفات

سارے وسطِ ایشیا، خراسان ، فارس ، آذر بائیجان وغیرہ کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے تاتاری روس تک جا پہنچے ۔ ۶۲۶ھ میں چنگیزخاں فوت ہو گیا ۔

چنگیزخاں کے بیٹے کی تخت نشینی

چنگیزخاں کے بعد اس کا بیٹا اوکتائے خاں (۶۲۴ھ تا ۶۴۷ھ) تخت نشین ہوا ۔ کیوک خاں کے بعد تاتاری امیروں نے منکوخاں بن تولی بن چنگیزخاں کے ہاتھ پر بیعت کر لی جس نے اپنے بھائی ہلاکو بن تولی کو ایران کا مستقل حاکم بنا دیا ۔

چنگیزخاں کے خاندان میں اسلام کا ورود

منکو کا ایک بھائی برکہ شیخ شمس الدین باخوری کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا ۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

علقمی شیعہ کی غداری

اس زمانے میں بغداد کا فرمانروا مستعصم باللہ تھا ۔ برکہ نے تحریری طور پر مستعصم کی بیعت کر لی تھی ۔ اس لیے تاتاریوں نے بغداد کا رخ نہ کیا مگر بغداد میں شیعہ سُنی کشمکش زوروں پر تھی ۔ دونوں فرقوں میں آئے دن جھگڑے اور فسادات ہوتے رہتے تھے ، جب ۶۵۵ھ میں مستعصم باللہ کے ایک شیعہ وزیر موید الدین ابوطالب محمد بن احمد بن علی بن محمد علقمی نے ہلاکو کو بغداد آنے کی دعوت دی ۔ اگرچہ عباسی خلافت کمزور تھی لیکن وہ ابھی تک دنیائے اسلام کا مرکز

تصور کی جاتی تھی اور مسلمانوں کو روحانی طور پر اس کے ساتھ بڑی عقیدت تھی ۔ مستعصم ایسا نااہل فرمانروا مسند خلافت پر متمکن تھا ۔ اسے امور مملکت سے کوئی دلچسپی نہ تھی ، تمام اختیارات اور سیاہ و سفید کا مالک اس کا شیعہ وزیر العلقمی تھا ۔ وہ اگرچہ بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا مگر سُنّی دشمنی میں بدنامی کی حد تک مشہور تھا ۔

فرقہ کی نوبت

مسلمانوں میں اتحادِ عمل اور یگانگت مفقود تھی ، وہ فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے اور آپس میں دست و گریباں رہتے تھے ۔ علماء مذہبی مناظروں اور فرقہ وارانہ مسائل کا شکار رہتے ۔ آنے والے خطرات کا انہیں کچھ احساس نہ تھا ۔ ایسے ہی حالات میں ہلاکو کو بغداد پر حملے کی دعوت ملی ۔ ہلاکو بغداد پر حملہ کرنے سے ہچکچاتا رہا (کیوں کہ یہ بات معروف تھی کہ اگر خلیفۂ اسلام کا خون زمین پر گر پڑے تو قہر خداوندی نازل ہوتا ہے) کہ ایک طرف وہ عالمِ اسلام کو اپنا مخالف نہ بنالے اور دوسری طرف یہ اندیشہ کہ وہ کہیں قہر خداوندی کا موجب نہ بن جائے ۔

ایک اور شیعہ طوسی

ہلاکو خاں کا وزیر مشہور فلسفی نصیرالدین طوسی (مصنف: اخلاق ناصری) کٹر شیعہ تھا ۔ ابن علقمی نے اسی کی وساطت سے ہلاکو کو بغداد پر حملے کی دعوت دی تھی ۔ نصیرالدین نے ہلاکو کو یہ کہہ کر ہمت بندھائی کہ اگر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد دنیا اسی طرح قائم رہی اور ظالموں پر کوئی قہر نازل نہ ہوا تو مستعصم کی موت اور خلافت بنوعباس کے خاتمہ سے کون سی قیامت برپا ہو جائے گی بلکہ ان غاصبوں کو مسند اقتدار سے ہٹا دینا تو کارِ ثواب ہو گا ۔

بالآخر ذوالحجہ ۶۵۵ھ (۱۲۵۸ء) کو ہلاکو نے بغداد پر فوج کشی کی ۔

ابن علقمی کی سازش

ابن علقمی نے سازش کر کے فوج کا اکثر حصہ برخاست کر دیا تھا ۔ جو چند سپاہی بچے تھے ان کی مدد سے تاتاری یلغار کا زبردست مقابلہ تو کیا گیا اور پہلے حملے میں تاتاریوں کو شکست بھی ہوئی لیکن جلد ہی تاتاریوں نے اپنی قوت کو مجتمع کر کے بغداد کا محاصرہ کر لیا ۔ انجام کار چالیس دن کے محاصرے کے بعد ہجری سال کے آغاز ماہِ محرم ۶۵۶ھ میں مسلمانوں کی پانچ صدیوں پر محیط شان و شوکت ، بغداد کی عظمت اور عالمِ اسلام کے عظیم تاریخی اور علمی سرمائے کو اس نے دریائے دجلہ کی طغیانیوں میں خس و خاشاک کی طرح بہا دیا ۔

مستعصم کا حشر اور اہلِ اسلام کی تباہی

خلیفہ مستعصم کو نمدے میں لپیٹ کر ڈنڈے مار مار کر ہلاک کر دیا ۔ اس کی لاش کو پاؤں تلے روند ڈالا ۔ تقریباً سوا لاکھ مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا ۔ بچوں ، عورتوں بوڑھوں حتیٰ کہ اپاہجوں کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا ۔ بغداد کی درس گاہوں ، عمارات اور لائبریریوں کو جلا کر راکھ کر دیا ۔

عبرت آموز منظر

مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کی اس راکھ سے دریائے دجلہ کا پانی ایک ہفتہ تک سیاہ رہا ، لاشوں کے جو انبار دجلہ کی نذر کیے گئے ان سے سات دن تک دجلہ کا پانی سرخ رہا۔ بغداد جو علوم و فنون کا مرکز تھا ، جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا ، جو مسلمانوں کی شان شوکت کا امین تھا وہ اب انسانی لاشوں کے انبار ، اینٹوں اور پتھروں کے ڈھیر ، جلی ہوئی عمارات اور ہر طرف ویرانیوں کے مناظر پیش کر رہا تھا ۔ ہارون اور مامون کے زمانے کے تمام علمی خزینے اور دفینے (جو قلمی نسخوں پر مشتمل تھے) دریا برد کر دیے گئے ۔

امام ابن تیمیہؒ اور چنگیزی فتنہ

بغداد کی اس تباہی و بربادی کے بعد تاتاریوں کا رخ شام اور مصر کی طرف مڑ گیا۔ اس دوران میں سیف و سنان اور قلم کے عظیم مجاہد حضرت امام ابن تیمیہؒ نے قلم اور سیف و سنان سے خوب جہاد کیا۔ جہاں ان کی قلمی اور علمی ترک تازیاں تاریخ کی زینت بنیں وہاں ان کی زبان بھی تیغ بے نیام ثابت ہوئی۔ ان کی تلوار نے بھی تاریخ میں اپنے جوہر ثبت کیے۔ صفر ۶۵۸ھ میں ہلاکو نے دمشق پر قبضہ کر لیا مگر مصر سے سلطان سیف الدین قطر ایک لشکر جرار لے کر شام کی جنوبی سرحد پر آیا اور عین جالوت کے مقام پر ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو تاتاریوں سے زبردست معرکہ کے بعد انہیں شکست سے دوچار کر کے دمشق ان کے قبضے سے آزاد کرا لیا۔ مگر سلطان سیف الدین کو مصر پہنچنے سے پہلے پہلے قتل کر دیا گیا۔ اس کی جگہ امیر رکن بیبرس بندقداری (الملک الظاہر کے لقب) سے مصر کا سلطان بن گیا۔ پھر اس نے ابوالعباس احمد بن علی کو حاکم بامراللہ کا لقب دے کر خلیفہ بنا دیا۔ جس نے ۷۰۱ھ تک خلافت کی۔ دوسری طرف ہلاکو ۶۶۴ھ میں فوت ہو گیا۔

قازان مسلمان ہو گیا

اس کے جانشینوں میں ارغون کے بیٹے اور چنگیزخاں کے پڑپوتے قازان نے ۶۹۵ھ کو تاتاری سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ امیر نوروز کی کوششوں سے قازان مسلمان ہو گیا اور اس نے اپنا نام محمود رکھ لیا۔ اس کے ساتھ ایک لاکھ تاتاری مسلمان ہو گئے۔ قازان نے بڑی شان و شوکت سے سلطنت شروع کی۔ مصر میں آئے روز حکومتیں بدلتی رہیں۔ سلطان نجم الدین جو قازان کا باجگزار تھا، کے آدمیوں نے تاتاریوں کے بعض پہرے داروں کو قتل کر دیا۔ تبریز میں جب قازان کو اطلاع ملی تو وہ غصہ سے بے تاب ہو گیا۔ اس نے مصری اور شامی فوجوں کو سزا دینے کی ٹھان لی۔ ۲۶ صفر ۶۹۹ھ کو وہ آذربائیجان سے روانہ ہوا۔

راستے میں نصرانی اور رومی امراء بھی اس کے ساتھ ہوئے ۔ دریائے فرات کو پار کرنے کے بعد اس نے آدمیوں کی گنتی کی تو تعداد ۹۰ ہزار تھی ۔ دمشق میں جب اس کی اطلاع پہنچی تو ملک شام میں دہشت پھیل گئی ۔ حلب و حماۃ سے جو دارالسلطنت سے فاصلہ پر تھے وہاں سے لوگ نکل نکل کر دارالسلطنت کا رخ کرنے لگے ۔ یہاں تک کہ صرف حماۃ سے دمشق تک گھوڑے کا کرایہ دو سو درھم ہوگیا۔ لیکن اہلِ شام کو جب اس بات کا علم ہوا کہ سلطانِ مصر الملک الناصر محمد بن قلاوون ان کی حفاظت کے لیے آ رہا ہے تو انہیں کچھ اطمینان ہوا ۔ ۸ ربیع الاوّل ۶۹۹ھ کو مصری افواج دمشق میں داخل ہوئیں اہل شہر نے باوجود سخت بارش اور کیچڑ کے ان کا استقبال کیا ۔

۲۷ ربیع الاوّل کو قازان اور سلطان کے درمیان معرکہ ہوا ۔ سلطان مصر نے شکست کھائی ۔ مصری افواج مصر کی جانب روانہ ہوگئیں تو دمشق والوں پر پھر خوف و ہراس کے سائے منڈلانے لگے ۔ بڑے بڑے علماء اور سربرآوردہ اشخاص شہر چھوڑ کر مصر کا رخ کر رہے تھے ۔ خود قاضی شافعی ، قاضی مالکی ، دوسرے نامور علماء ، حاکم شہر ، محتسب ، بڑے بڑے تاجر اور عوام شہر چھوڑ چکے تھے ۔ حکومتی عملہ رخصت ہو چکا تھا ۔ دمشق میں چوروں اور ڈاکوؤں نے شہریوں کی جائیداد کو خوب لوٹا ۔ اُدھر قازان کی آمد آمد کا شور تھا ۔ لوگوں کے رہے سہے ہوش بھی جاتے رہے ۔ ان حالات میں ۳ ربیع الثانی ۶۹۹ھ کو مقام "نبیک" پر حضرت امام ابن تیمیہؒ نے اہل دمشق کے نمائندہ اور اسلام کے سفیر کی حیثیت سے تاتاریوں کے جبار بادشاہ قازان سے ملاقات کی جو "افضل الجہاد کلمہ حق عند سلطان جائر" کی زندہ مثال تھی ۔

ابن تیمیہؒ نے جان بخشی کرائی

حضرت امام ابن تیمیہؒ کی اس دلیرانہ سفارت سے اہل دمشق کی جان بخشی تو ہوگئی مگر تاتاریوں کی روایتی لوٹ مار میں فرق نہ آیا ۔ تاتاریوں کے ہمراہ جو [illegible] آئے تھے انہوں نے مل کر صالحیہ ، مسجد اسدیہ ، مسجد

خاتون ، دارالحدیث اشرفیہ کو بے دریغ لوٹا ۔ جامع التوبہ کو آگ لگا دی ۔ رباط حنابلہ کے سارے محلہ کو لوٹ لیا ۔ عورتوں کی آبروریزی کی ، مردوں عورتوں کو قید کر کے غلام بنا لیا ۔

شیخ الاسلام حضرت امام ابن تیمیہؒ ہر چند اس قتل و غارت گری کو روکنے کے لیے ہر دم مستعد رہے ۔ قازان سے دوبارہ ملنے کی سعی کی مگر کامیاب نہ ہو سکے ۔ اسی اثناء میں قازان کے پایۂ تخت کے حالات کچھ دگرگوں ہوئے تو اس نے واپسی کا اعلان کر دیا ۔ اگلے سال دوبارہ مصر اور شام فتح کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ۔

جہاد کا اعلان

۷۰۰ھ کے آغاز میں پھر تاتاریوں کی آمد کی اطلاع ملی ۔ امام ابن تیمیہؒ نے جہاد کا اعلان کر دیا ۔ شام اور مصر کے متعدد مقامات کے دورے کر کے مسلمانوں کو آمادۂ جہاد کیا ۔ مصر میں بنفس نفیس جا کر سلطان مصر کو جہاد کے لیے آمادہ کیا ۔ یہی وہ دن تھے جب تاتاریوں کے خوف سے مسلمانوں کی آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے حلق تک آن پہنچے تھے ۔ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان باندھے جانے لگے گویا قرآن کی اس آیت کا نقشہ کھنچ آیا تھا۔

"واذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر و تظنون باللہ الظنونا ، ھنالک ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالا شدیداً" (الاحزاب : ۱۰،۱۱)

مکتوب گرامی

انہی ایام میں ابن تیمیہؒ نے ملّت اسلامیہ کے نام پچاس صفحوں پر مشتمل ایک خط تحریر فرمایا جس میں شام و مصر کے حالات کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ احزاب کے حالات سے تطبیق دے کر مسلمانوں کو یہ باور کرایا کہ جہاد ہی زندہ رہنے کا واحد راستہ ہے اور اگر ہم بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کی طرح ثابت قدم ہو گئے (جبکہ ان پر سارے لشکر اٹد آئے

تھے ، ان کی بھی آنکھیں پتھرا گئیں تھیں ، ان کے کلیجے بھی منہ کو آ گئے تھے اور انہیں شدید طور پر جھنجھوڑا گیا تھا) تو ہم پر بھی اللہ تعالیٰ کا کرم ہو گا ، اس کی نصرت ہمارے شامل حال ہو گی اور ہم کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوں گے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی یہ کاوش دعوت و ترغیب جہاد بالقلم والسیف آخر کار رنگ لائی ۔ ۲ رمضان المبارک ۷۰۲ھ میں "شقحب" کے مقام پر شامی اور مصری فوجوں کا تاتاریوں سے گھمسان کا رن پڑا ۔ ۶۹۹ھ کی شکست کا مسلمانوں نے دل کھول کر بدلہ لیا ۔ بہت کم تاتاری بچ کر واپس جا سکے ، مسلمانوں نے ٹیلوں ، گھاٹیوں میں تاتاریوں کا پیچھا کیا ۔ جو جان کے خوف سے بھاگ نکلے وہ دریائے فرات کی موجوں کی نذر ہو گئے ۔

امام ابن تیمیہؒ کا شاندار استقبال

ابن تیمیہؒ سوموار ۴ رمضان المبارک کو دمشق میں داخل ہوئے ۔ لوگوں نے آپ کا بڑا شاندار استقبال کیا ۔

اس دورِ پُر آشوب میں مسلمان چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں ، ہم محسوس کرتے ہیں کہ افغانستان کے مجاہدین نے جہاد کی ایک نئی تاریخ رقم کر کے اس باب میں سلف صالحین کے کارناموں کی یاد تازہ کر دی ہے اید ھم اللہ بنصرہ العزیز۔ ہمیں آج بھی امام ابن تیمیہؒ جیسی عظیم شخصیت کی ضرورت ہے تاکہ ملّت خفتہ کو پھر بیدار کیا جا سکے ۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت امام ابن تیمیہؒ کے اس خط کا مطالعہ مسیحائی امت مسلمہ کی تقدیر بدل دے اور اللہ کی مدد اور فضل و کرم سے اس کی بگڑی بھی بن جائے۔ آمین۔ محترمی جناب بشیر احمد نعمانی صاحب مالک "نعمانی کتب خانہ" مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہیں "یہ خط شائع کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے مال و جان ، آل اولاد میں بے پناہ برکت عطا فرمائے۔

ع۔ ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

حضرت مولانا عزیز زبیدی صاحب مدظلہ کا بھی احسان مند ہوں کہ ہر قدم انکی راہنمائی میسر رہی ۔ اللہ اُن پر بے حساب کرم فرمائے ۔ (آمین)

عبدالحفیظ عفی عنہ
انجنیئرنگ یونیورسٹی، لاہور
۱۷۔رمضان المبارک ، ۱۴۰۹ھ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا ایک مجاہدانہ مکتوب گرامی

ترجمہ : پروفیسر چوہدری عبدالحفیظ

دعوت و عزیمت

جہاد بالقلم والسیف والسنان کی روداد اور تلقین

حمد و ثناء

تم پر اللہ کی سلامتی ، اس کی رحمت اور اس کی برکات ہوں (سلام اللہ علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ) ہم تمہارے سامنے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور وہ تنہا حمد کا اہل ہے ۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہم اس سے التجا کرتے ہیں کہ اپنی مخلوقات میں سے سب سے زیادہ پاک و صاف ، ساری مخلوق سے زیادہ بہتر ہستی "محمدؐ" اپنے بندے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے ۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تسلیماً ۔

اما بعد! اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ، اپنے بندے کی مدد کی ، اپنے لشکر کو سرفراز فرمایا اور تن تنہا دشمن کے لشکروں کو شکست دی ۔

''وردّ اللہ الذین کفروا بغیظھم لم ینالوا خیراً وکفی اللہ المؤمنین القتال ، وکان اللہ قویّاً عزیزاً'' (الاحزاب ۲۵)

اور جو کافر تھے ان کو اللہ نے پھیر دیا وہ اپنے غصے میں بھرے ہوئے تھے ، کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور اللہ مومنوں کو لڑائی کے بارے میں کافی ہوا اور

اللہ تعالےٰ ہمارے لیے بات کو یوں واضح کرتا ہے:

''وانـزل الذین ظاهر وهم من اهل الکتاب من صیا صیهم وقـذف فی قلوبهم الرعب فریقاً تقتلون و تأسرون فریقاًہ و اورثکم ارضهم و دیارهم ، واموالهم وارضاً لم تطئوها وکان الله علی کل شیٍ قدیراً ۔ (الاحزاب :۲۷،۲۶)

اور اہل کتاب میں سے جنہوں نے ان کی مدد کی تھی ان کو ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی ، تو کتنوں کو تم قتل کر دیتے تھے اور کتنوں کو قید کر لیتے تھے اور ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مال کا اور اس زمین کا جس میں تم نے پاؤں بھی نہیں رکھا تھا ، تم کو وارث بنا دیا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۔

مثال

بے شک یہ فتنہ جس میں مسلمان مبتلا کیے گئے وہ اس مفسد اور خارج از اسلام دشمن (تاتار) کے ساتھ بعینہ اسی طرح پیش آیا جس طرح مسلمانوں کو عہدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے دشمن کے ساتھ ان غزوات میں پیش آیا تھا جن کی تفصیل اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمائی اور اس میں اپنے نبی اور مومنین کی آزمائش کی یہ (اسوۂ رسولؐ) روز قیامت تک ہر اس انسان کے لیے نمونہ ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرتا ہے ۔

قرآن مجید اور سنت رسولؐ جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی بنیاد ہے ساری کائنات کو لفظی و معنوی طور پر مخاطب ہے یا عمومی طور پر سب لوگ اس میں شامل ہیں ۔ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ میں اللہ کے وعدے اس امت کے متاخرین کے ساتھ اسی طرح پورے ہوں گے جس طرح اوّلین کے ساتھ پورے ہوئے تھے ۔ اللہ تعالےٰ نے ہمارے لیے پہلی امتوں کے واقعات اور قصے اس

لیے بیان کیے ہیں کہ وہ ہمارے لیے سامان عبرت ثابت ہوں ، ہم اپنے حالات کوان کے حالات پر منطبق کریں ، آخری امتوں کے اعمال کو پہلی امتوں کے اعمال پر قیاس کر سکیں ۔ مؤمنین متاخرین کے لیے ایسے ہی ملتے جلتے واقعات ہوں گے جو کہ متقدمین اہلِ ایمان کے لیے بھی تھے ۔ متاخرین کافرین اور منافقین کے لیے بھی اسی طرح مشابہت رکھتے ہوں گے جیسے متقدمین کے دور میں کافروں اور منافقوں کے لیے تھے ۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ تفصیلاً بیان کیا اور دوسرے انبیاء کے قصے اجمالاً بیان کیے ،

پھر فرمایا:

لقدکان فی قصصهم عبرة لا ولی الالباب ، ماکان حدیثاً یفتری:
(یوسف:۱۱۱)

ان کے قصے میں عقل مندوں کے لیے عبرت ہے ۔ یہ (قرآن) ایسی بات نہیں ہے جو (اپنے دل سے) بنائی گئی ہو۔

کتاب اللہ میں مذکور یہ قصے ان جھوٹے اور من گھڑت قصوں کی مانند نہیں ہیں جیساکہ عام طور پر جنگوں اور جھوٹی سیرتوں میں بیان کیے جاتے ہیں ۔ اللہ تعالےٰ نے فرعون کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فاخذہ اللہ نکال الاخرة والاولی ، انّ فی ذلک لعبرة لمن یخشی:
(النازعات: ۲۵، ۲٦)

تو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں کے) عذاب میں پکڑ لیا ۔ جو شخص اللہ سے ڈر رکھتا ہے اس کے لیے اس قصے میں عبرت ہے۔

اور ہمارے نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر اور دوسری غزوات میں اپنے دشمنوں کے ساتھ سیرت طیبہ سے متعلق فرمایا:

قدکان لکم آیة فی فئتین التقتا: فئة تقاتل فی سبیل اللہ واخری کافرة یرونهم مثلیهم رأی العین واللہ یؤید بنصرہ من یشاء ان فی ذلک لعبرة لاولی الابصار۔ (آل عمران : ۱۳)

تمہارے لیے دو گروہوں میں جو (جنگ بدر کے دن) آپس میں بھڑ گئے (اللہ کی قدرت کی عظیم الشان) نشانی تھی ۔ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ (کافروں کا تھا وہ) ان کو اپنی آنکھوں سے اپنے سے دوگنا مشاہدہ کر رہا تھا اور اللہ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے ۔ جو اہل بصارت ہیں ان کے لیے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے ۔

بنی نضیر کے محاصرے کے سلسلے میں اللہ نے فرمایا:

هوالذی اخرج الذین کفروا من اهل الکتاب من دیار هم لاوّل الحشر ماظننتم ان یخرجوا وظنوا انهم مانعتهم حصونهم من الله فاتاهم الله من حیث لم یحتسبوا وقذف فی قلوبهم الرعب یخربون بیوتهم بایدیهم وایدی المومنین ، فاعتبروایا اولی الابصار۔ (سورة الحشر : ۲)

وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو حشر اوّل کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا ۔ تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ کے عذاب سے بچا لیں گے ۔ مگر اللہ نے ان کو وہاں سے آ لیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے ۔ اے بصیرت کی آنکھیں رکھنے والو عبرت پکڑو ۔

سبق لیں

پس ہمیں حکم دیا کہ اس امت کے متقدمین اور امم سابقہ کے احوال کو اپنے حالات سے منطبق کریں اور کئی مقامات پر اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کی سنت (طریق کار) اس معاملے میں بڑی صاف ، سپاٹ مستقل اور جاری و ساری ہے ۔

جن کے دلوں میں کھوٹ ہے

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

لئن لم ینتـہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینـۃ لنغرینّـک بھم ثم لایجاورونک فیھاالاّ قلیلاً ، ملعونین اینماثقفوا اخذو اوقتّلوا تقتیلاً ، سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً ۔ (الاحزاب ٦٠/٦٢)

اگر منافق اور جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو (مدینے کے شہر میں) بری بُری خبریں اڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار سے) باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہاں تمہارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور جان سے مار ڈالے گئے ، جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی اللہ کی یہی عادت رہی ہے اور تم اللہ کی عادت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے ۔

اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

ولـو قاتلکم الذین کفروا لولّو الادبار ثم لا یجدون ولیاً ولا نصیراً ۔ سنۃ اللہ التی قدخلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً ۔

(الفتح : ٢٢۔٢٣)

اگر تم سے کافر لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر کسی کو دوست اور مددگار نہ پاتے ۔ یہی اللہ کی عادت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم اللہ کی عادت کبھی بدلتے نہ دیکھو گے ۔

اللہ سبحانہ تعالےٰ نے خبر دی ہے کہ متاخرین کافروں کی عادات و اطوار متقدمین کافروں کی عادات و اطوار کے عین مطابق ہیں ۔ پس عقل مندوں کو چاہئیے کہ اللہ کے طریق کار ، بندوں میں عروج و زوال کے اصولوں اور گزشتہ امتوں کی عادات و اطوار سے عبرت حاصل کریں ۔ خاص طور پر ایسے عظیم حادثے کے ضمن میں جس کی خبر نے مشرق و مغرب کے رہنے والوں کو خوفزدہ کر دیا ہے اور دیار اسلام کو اس شر کی چنگاریوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے ۔

بدگمانیاں

منافقت اور نفاق نے اپنی پیشانی کھول دی ہے ۔ کفر نے ہوس کے جبڑے نکال لیے ہیں اور قریب ہے کہ کتاب اللہ کے ستون کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے ۔ ایمان کی رسی کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور مؤمنین کے خرمنِ امن (محلات) میں دوزخ کی تباہیاں نازل ہوں اور یہ دین فاسق و فاجر تاتاریوں کے غلبہ سے نیست و نابود ہو کر رہ جائے ۔ منافقین اور جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کا گمان ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ صرف دھوکے اور غرور کا وعدہ کیا ہے ۔ان کا خیال ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کا لشکر لوٹ کر کبھی اپنے اہل و عیال کی طرف نہیں جائے گا۔ ان کے دل اس بات سے مزین (خوش) ہیں ، انہوں نے بہت بڑی بدگمانی کی ہے اور یہ ہلاک اور تباہ ہونے والی قوم ہے ۔ پس ایسا فتنہ نازل ہوا ہے کہ حلیم و بردبار شخص حیران و سراسیمہ ہیں (کہ کیا کریں) اور جزع و فزع ، چیخ و پکار کرنے والے مدہوشی کے عالم میں ہیں اور حادثہ نے عقل مندوں کو کثرت و ساوس کی وجہ سے ایسی حالت میں مبتلا کر دیا ہے کہ وہ نہ سو سکتے ہیں نہ جاگتے ہیں ۔ بے چینی و بے قراری کا عالم ہے ۔ اس حادثہ نے بھائیوں کو بھائیوں سے ، دوستوں کو دوستوں سے اور محبت کرنے والوں کو چاہنے والوں سے متنفر کر دیا ہے ۔ آدمی کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ ایک غمزدہ انسان کی طرح دعا کرنے سے بھی عاجز ہے اوراللہ نے اہلِ بصیرت اور اہل یقین و ایمان لوگوں کو منافقین اور ضعیف ایمان والوں سے ممیز وممتاز کر دیا ہے ۔

اس حادثے کے نتائج

اس حادثے کے ذریعے بعض لوگوں کے درجات کو اسی طرح بلند کر دیا ہے جس طرح بعض لوگوں کو ذلیل کر کے جہنم کی وادی میں گرا دیا ہے اور بعض لوگوں کے لیے اس حادثہ کو ان کے اعمال خاطۂ کا کفارہ بنا دیا ہے ۔ ایسی ایسی انواع و

اقسام کی مصیبتیں نمودار ہوئی ہیں جنہوں نے قیامتِ کُبریٰ کی آمد سے پہلے قیامتِ صغریٰ برپا کر دی ہے ۔

پس لوگ اس حادثہ میں شقی اور سعید میں اسی طرح تقسیم ہو گئے ہیں جسطرح قیامت کے دن تقسیم ہونگے ۔ آدمی اپنے بھائی اور ماں باپ کو چھوڑ کر بھاگ نکلا ہے ۔ اس حادثہ میں ہر آدمی کی عجیب حالت ہے ۔ لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کی سب سے بڑی خواہش صرف اپنے وجود کو بچانا ہے ، اسے نہ اپنے مال ، نہ اپنی اولاد ، نہ بیوی سے کوئی سروکار ہے ۔ کچھ ایسے بھی ہیں جن میں اپنے اہل و عیال اور مال کو بچانے کی توفیق ہے ، بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے سے زیادہ مصیبت زدہ کی معاونت پر قادر ہیں ۔ کوئی ایسا بھی ہے جس کا مقام سفارشی اور مطاع کا ہے ۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں ان کے فائدے اور دفاع کے اعتبار سے درجے بھی ہیں ۔ ایمان اور عمل صالح کے بغیر خالص منفعت بھی شکوے سے خالی نہیں ہوتی ۔

اس حادثہ میں تمام اسرار منکشف ہو چکے ہیں ۔ دلوں کے راز باہر نکل آئے ہیں اور یہ واضح ہوگیا ہے کہ اقوال و اعمال کی شان و شوکت اپنے مالک کی خیانت کر رہی ہے ۔ وہ آج بھی مال کا پہلے سے زیادہ حریص ہے ۔ سادات اور اکابرین کی اطاعت کرنے والوں نے ان کی مذمت کی ہے کیوں کہ انہوں نے اسے راہِ راست سے اسی طرح گمراہ کر دیا ہے جس طرح اس کے بالعکس اپنے ایمان میں صادق اور سنت نبوی کا پیروکار اپنے رب کی حمد و ثنا میں لگا ہے ۔ اس نے رسول اکرمؐ کی لائی ہوئی شریعت کو بھی سچ مانا ہے اوران تمام حوادث و واقعات کو بھی سچ مانتا ہے جو اس کے پروردگار کی طرف سے ظہور پذیر ہوں گے ۔ اس امت کے محدثین نے ان کے دلوں کو اس طرح متاثر کیا ہے جس طرح ان خوشخبریوں نے متاثر کیا ہے جو مؤمنین کو دکھائی گئی ہیں ۔ اس حادثہ میں ایک ایسی واضح کامیاب و کامران جماعت دین پر قائم و دائم ہو گئی ہے جسے مخالفت کرنے والوں کی مخالفت اور کوئی رسوائی یومِ قیامت تک ضرر نہ پہنچا سکے گی ۔

یہاں ہم انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) ایک گروہ جو دین کی نصرت و حمایت میں کوشاں ہے ۔

(۲) دوسرا گروہ جو دین کو رسوا کرنے پر تُلا ہے ۔

(۳) اور تیسرا گروہ کہ دین اسلام سے خارج ہے ۔

لوگ "اصحاب خیر" (نیک) اور "اصحاب عذاب" (بد) میں تقسیم ہو گئے ہیں ، ایک وہ گروہ ہے جسے اللہ کے سلسلے میں دھوکہ ہوا ہے اور یہ آزمائش (امتحان) اللہ تعالےٰ کی طرف سے ان کی تمیز و تقسیم کے لیے ہے تاکہ اہلِ صدق کو ان کے صدق کا بدلہ دے اور منافقین کو اگر چاہے تو عذاب سے دوچار کرے یا ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۔

اس حادثہ عظیمہ کو تین اعتبار سے جانچا جا سکتا ہے :-

جہاد

اللہ تعالےٰ نے بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب فرمائے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اولاً جہاد کو مباح اور جائز کیا ، پھر ثانیاً جب آپ مدینہ طیبہ ہجرت فرما گئے تو جہاد کو فرض قرار دیا۔ مدینہ طیبہ میں آپ کے ایسے انصار پیدا ہو گئے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی مدد پر کمربستہ رہے ۔ دارالہجرت (مدینہ طیبہ) میں مدت قیام کے دوران رسول اکرمؐ بنفس نفیس جہاد میں شامل رہے اور یہ عرصہ تقریباً دس سال کا بنتا ہے ۔

تعداد غزوات

اس دوران میں ۲۰ سے کچھ اوپر غزوات ہوئے ہیں ان میں سب سے پہلا غزوہ ، غزوۂ بدر اور آخری "تبوک" ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے اوّلین غزوات کا ذکر سورۃ انفال میں کیا اور آخری غزوات کی تفصیل سورہ "براۃ" (توبہ) میں ہے ۔

سورۃ انفال اور توبہ کو ایک مشترک مضمون (جہاد) کی وجہ سے قرآن مجید میں اکٹھا کر دیا ۔

حضرت عثمانؓ کا بیان

جیساکہ امیرالمومنین حضرت عثمانؓ نے فرمایا ۔ جب ان سے ان دو سورتوں (انفال اور توبہ) کے درمیان "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا فاصلہ ڈالے بغیر انہیں اکٹھا کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا: تو انہوں نے فرمایا ۔۔۔ بیس غزوات میں سے صرف ۹ میں لڑائی ہوئی ۔ باقاعدہ جنگ والا سب سے پہلا غزوہ "غزوہ بدر" تھا اور آخری "حنین" اور طائف ۔ ان غزوات میں اللہ تعالےٰ نے اپنے فرشتے نازل کیے ۔ جیساکہ قرآن مجید نے اس بارے میں خبر دی ہے ۔(۱)

"لہٰذا لوگوں نے دونوں غزوات کو گفتگو میں جمع کرنا شروع دیا اگرچہ زبان ومکان کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے سے بعید تھے ۔ بدر کا معرکہ رمضان المبارک ۲ھ میں مدینہ اور مکہ کے درمیان پیش آیا اور غزوۂ حنین ۸ھ ماہ شوال میں اور حنین طائف کے قریب مکہ کے مشرق کی جانب ایک وادی ہے ۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرانہ کے مقام پر مال غنیمت تقسیم کیا اور "عمرۂ جعرانہ"

۱۔ قال تعالیٰ فی سورۃ التوبۃ: ''ویوم حنین إذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بمارحبت ثم ولیتم مدبرین ۔ ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المؤمنین وانزل جنوداً لم تروھا و عذّب الذین کفروا وذلک جزاء الکافرین'' (۲۵۔۲۶)

اور جنگ حنین کے دن جب کہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر غرہ تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی اور زمین باوجود اتنی فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی ۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر پھر گئے ۔ پھر اللہ نے اپنے پیغمبر پر اورمومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور تمہاری مدد کو فرشتوں کے لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے آسمان سے اتارے اور کافروں کو عذاب دیااور کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے ۔

ادا کیا۔

پھر آپ نے طائف کا محاصرہ کر لیا ۔ اہلِ طائف صف بندی کر کے لشکر کی صورت میں میدان مقابلہ پر نہ آئے بلکہ انہوں نے دیواروں کی اوٹ سے جنگ کی ۔ اس اعتبار سے آخری غزوہ جس میں لوگ باقاعدہ لشکر کے ساتھ اور صف بند ہو کر لڑے وہ "غزوۂ حنین" ہے ۔

غزوۂ بدر

غزوۂ بدر پہلا معرکہ تھا جس میں مسلمان سردارانِ کفار کے بالمقابل آئے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے ذریعے سردارانِ قریش کو قتل کیا اور مسلمانوں نے انہیں قیدی بنایا باوجودیکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور وہ کمزور تھے ۔ وہ تعداد کے اعتبار سے بھی محض ۳۱۳ تھے ۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے تھے ۔ دو دو تین تین آدمی ایک اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے ۔ ان کا دشمن تعداد ، قوت ، اسلحہ ، جاہ و جلال کے اعتبار سے ان سے تین گناہ زیادہ تھا ۔

غزوۂ احد

اگلا سال ہوا تو کفار نے مدینہ طیبّہ پر پھر حملہ کیا (۲) ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ جنگ کے لیے نکلے تو آپ کے ساتھی کفار سے ایک چوتھائی تھے ۔ مسلمانوں نے اپنے اہل و عیال کو مدینہ طیبہ چھوڑ دیا اور انہیں کسی دوسری جگہ منتقل نہیں کیا ۔

پہلے ہلّے میں مسلمانوں کا پلّہ بھاری تھا ، پھر کفار کا پلڑا بھاری ہو گیا ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد موجود چند ساتھیوں کے سوا باقی مسلمانوں کا لشکر شکست سے دوچار ہوا ۔

---

۲ ۔ غزوۂ احد ۔

جاں نثار صحابہؓ کی حالت

ان میں سے ایسے بھی تھے جو اللہ کی راہ میں کام آئے ، کچھ ایسے تھے جو زخمی ہوئے ۔

نبی اکرمؐ پر جو بیتی

کفار نے نبی اکرمؐ کو قتل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی ، آپ کے سامنے والے چار دانت مبارک شہید کر دیئے گئے ۔ آپ کی پیشانی مبارک کو زخمی کر دیا اور تیز تلوار سے آپ کے سر پر جو خود تھا اسے توڑ دیا ۔ اللہ تعالےٰ نے سورہ آل عمران کا ایک حصہ اس ضمن میں نازل کیا ۔ جس میں یہ آیات ہیں ۔

واذغدوتَ من اهلك تبوّی المؤمنین مقاعد للقتال (آل عمران ۱۲۱)

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب تم صبح کو اپنے گھر سے روانہ ہو کر ایمان والوں کو لڑائی کے لیے مورچوں پر موقع بموقع متعین کرنے لگے ۔

''ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلّهم الشیطان ببعض ماکسبوا ولقد عفا الله عنهم ان الله غفور حلیم''
(آل عمران : ۱۵۵)

ترجمہ : جو لوگ تم میں سے اُحد کے دن جبکہ مومنوں اور کافروں کی دو جماعتیں ایک دوسرے سے گتھ گئیں (جنگ سے) بھاگ گئے تو ان کے بعض افعال کے سبب شیطان نے ان کو پھسلا دیا مگر اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے ۔

اور فرمایا:

''ولقد صدقکم الله وعده اذ تحسونهم باذنه حتی اذا فشلتم و تنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ماتحبون منکم من

یریدالدنیا و منکم من یرید الآخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین'' (آل عمران : ۱۵۲)

ترجمہ : اور اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا یعنی اس وقت جبکہ تم کافروں کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے اللہ نے تم کو دکھا دیا۔ اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی اور حکم پیغمبر میں جھگڑا کرنے لگے اوراس کی نافرمانی کی ، بعض تم میں سے دنیا کے خواستگار تھے اور بعض آخرت کے طالب ۔ اس وقت خدانے تم کو ان کے مقابلے سے پھیر کر بھگا دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے اوراس نے تمہارا قصور معاف کر دیااور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے ۔

اور فرمایا

''اولما اصابتکم مصیبة قداصبتم مثلیھا قلتم انّی ھذاقل ھو من عندانفسکم ان اللہ علی کل شیٍ قدیر'' (آل عمران :۱۶۵)

ترجمہ: بھلا یہ کیا بات ہے کہ جب اُحد کے دن کفار کے ہاتھ سے تم پر مصیبت واقع ہوئی حالاں کہ (جنگ بدر) میں اس سے دوچند مصیبت تمہارے ہاتھ سے ان پر پڑ چکی ہے تو تم چلّا اٹھے کہ ہائے آفت ہم پر کہاں سے آ پڑی ، کہہ دو کہ تمہاری ہی شامت اعمال ہے کہ تم نے پیغمبر کے حکم کے خلاف کیا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

شیطان کی چال

شیطان نے لوگوں میں یہ افواہ عام کر دی کہ محمدؐ تو شہید ہو گئے ہیں ۔ پس کچھ ایسے صحابی تھے جن کے قدم لڑکھڑا گئے اور وہ بھاگ نکلے اوران میں ایسے بھی تھے جو ثابت قدم رہے ۔ وہ ڈٹ کر لڑتے رہے ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''وما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئاً و سیجزی الله الشاکرین''۔ (آل عمران : ۱۴۴)

ترجمہ: اور محمدؐ تو صرف اللہ کے پیغمبر ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر گزر چکے ہیں بھلا اگر یہ مر جائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ شکر گزاروں کو بڑا ثواب دے گا۔

فتنۂ تاتار اور مسلمان

(مصر و شام کے) مسلمانوں کا بھی پچھلے سال شکست کھانے کے بعد یہی حال تھا۔ مسلمانوں کی پچھلے سال ہزیمت کے اسباب دراصل ظاہری گناہ(۱) واضح خطائیں، فسادنیت، فخر، غرور، ظلم، فواحش، قرآن و سنّت سے انحراف، فرائض اللہ کی حفاظت سے غفلت اور جزیرۃ الروم میں مسلمانوں کے خلاف بغاوتوں پر مشتمل تھے۔ اوّل اوّل ان کا دشمن ان کے ساتھ مصالحت اور ہتھیار ڈال دینے پر خوش ہو جاتا رہا، اسلام قبول کرنے کے لئے بھی آمادہ نظر آیا۔ ابتداء میں ایمان اور امان دونوں کا آغاز کیا، مگر مسلمان خود اسلام کے اکثر احکام سے منہ موڑ چکے تھے۔

۱۔ یوم اُحد مسلمانوں کی ہزیمت کا سبب ان تیراندازوں کی رسول اکرمؐ کے واضح حکم کی نافرمانی تھی تیراندازوں پر لازم تھا کہ حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں وہ اپنے مقام کو چمٹے رہیں۔ مسلمانوں کی تاتار کے مقابلے پر شکست کی وجہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے عہد میں بھی ایسی ہی تھی۔

حکمت اور رحمت کے تقاضے

مؤمنین کے ساتھ یہ اللہ تعالےٰ کی حکمت اور رحمت کا تقاضا تھا کہ اللہ نے انہیں بہت سخت آزمائش میں ڈال دیا تاکہ اہل ایمان کو (دوسروں سے) چھانٹ لے ، وہ اپنے رب کی طرف رجوع کریں ۔ تاکہ ان کے دشمن کا مکر ،فریب ، عہد شکنی کا مرتکب ہو ، ان کا دشمن ان کے ساتھ وہ سلوک کرے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی مدد کے مستحق قرار پائیں اور ان کا دشمن انتقام کا سزاوار قرار پائے ۔

مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے بارے میں مسلمانوں کے دشمنوں کے دلوں میں بہت بڑا خطرہ تھااگر ایسانہ ہوتا تو ان کادشمن ان پر جلد فتح پا لیتا اور ان کے دین دنیا کے فساد کا ایسا موجب بنتاکہ جو بیان سے باہر ہے ۔ مگر جس طرح اللہ تعالےٰ نے بدر کے روز مسلمانوں کو مدد دے کر اپنی رحمت اور نعمت کا اظہار کیا اسی طرح یوم اُحد مسلمانوں کو ہزیمت سے دوچار کرنا بھی اللہ کی نعمت اور مؤمنین کے ساتھ رحمت کا ہی معاملہ تھا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لا یقضی اللہ للمؤمن قضاءً الاّ کان خیراً لہ ولیس ذلک لا حدٍ الاّ للمؤمن ان اصابتہ سرّاء فشکراللہ کان خیراً لہ وان اصابتہ ضرّاء فصبرکان خیراً لہ ۔ (۱)

ترجمہ : اللہ مومن کے لیے جو بھی فیصلہ فرماتا ہے وہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور یہ صرف مومن کے حق میں ہوتاہے کسی دوسرے کے ساتھ اس کا دستور یہ

۱۔ مسلم شریف میں ہے حضرت صہیبؓ کہتے ہیں رسول اکرمؐ نے فرمایا ''مومن کا معاملہ تعجب انگیز ہے ۔ اس کا ہر معاملہ بھلائی کا معاملہ ہے اور مومن کے علاوہ کسی دوسرے کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے ۔ اگر اسے خوشی میسر آتی ہے تو وہ اللہ کا شکر گزار ہوتا ہے پس یہ اس کے حق میں بہتر ہے اگر اسے تکلیف آتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے ۔ امام احمد سے بھی ایسی روایت ہے ۔

نہیں ہے ۔ اگر مومن کو خوشی میسر آتی ہے تو مومن اس کا شکرگزار ہوتا ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اوراگر اسے تکلیف آتی ہے تو مومن صبر سے کام لیتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے ۔

تطبیق

جب مسلمانوں کے ساتھ پہلے سال یہ حادثہ پیش آیا تو یہ اوّلاً غزوہ اُحد سے مشابہ تھا اور اُحد کے بعد سال سے کچھ زیادہ (کہا گیا ہے دو سال بعد) مسلمان غزوۂ خندق میں بھی آزمائے گئے ، اس سال بھی مؤمنین دشمن کے ہاتھوں مصیبت میں مبتلا ہوئے بعینہ اسی طرح جیسے مسلمان خندق کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آزمائش میں مبتلا ہوئے ۔ غزوۂ خندق کا نام غزوۂ احزاب بھی ہے ۔ اس بارے میں اللہ تعالےٰ نے "سورۃ الاحزاب" نازل فرمائی ۔

سورۂ احزاب

یہ سورۃ اُن غزوات کی تفصیل پر مشتمل ہے جن میں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور بغیر جنگ مؤمنین کے لشکر کو غلبہ عطا کیا ، ان تمام لشکروں کو شکست دی جو ایک ہو کر مسلمانوں کے مقابلے پر آئے تھے ۔ مسلمانوں کو اپنے دشمن کے مقابلے پر ثابت قدم رہنے کی وجہ سے مدد دی ۔

اس سورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص ، آپؐ کے حقوق ، آپؐ کی حرمت اور اہلِ بیت کی حرمت و توقیر بیان کی کیوں کہ وہی تو ایک مرکزی نقطہ تھے جن کی اللہ نے بغیر قتال مدد کی ۔ ہماری اس جنگ میں بھی حالات ایسے ہی تھے ۔ اس جنگ میں دین کی مخفی تائید کا راز اسی طرح واضح ہوا جس طرح غزوۂ خندق میں نمایاں ہوا تھا ۔ اس جنگ میں لوگ اسی طرح تقسیم ہوئے جس طرح خندق کے سال تقسیم ہوئے تھے ۔

لوگوں کے تین گروہ

جب سے اللہ تعالےٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا اور انہیں ہجرت اور نصرت کے ساتھ غلبہ عطا کیا ہے اس وقت سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

۱ ۔ مؤمنین: جو ظاہر و باطن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ۔

۲ ۔ کافر: جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کا اظہار کیا ۔

۳ ۔ منافقین: جو بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے مگر باطنی طور پر نہیں ۔

اسی لیے سورۃ بقرہ کا افتتاح صرف چار آیتوں میں مؤمنین کی صفات کے ساتھ ہوا ۔ کافروں کی صفات صرف دو آیتوں میں بیان ہوئیں اور منافقین کی صفات کے لیے تیرہ آیتیں نازل کیں جیسا کہ قرآن و سنت دلالت کرتے ہیں ۔ ایمان ، کفر اور منافقت سب کے اپنے اپنے ستون اور شعبے ہیں ۔ حضرت امیرالمؤمنین علیؓ ابن ابی طالب حدیث ماثور میں جو ایمان، اس کے ستون اور اس کے شعبوں سے متعلق ہے وضاحت فرماتے ہیں ۔ جہاں تک نفاق کا تعلق ہے تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ منافق آگ کے (دوزخ) سب سے نچلے طبقہ میں ہو گا ۔

عبداللہ بن ابی وغیرھم کے نفاق کی مانند ، کیوں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صاف جھٹلاتا تھا ، یا آپ کی شریعت کے بعض احکام کا انکار کرتا تھا یا آپ کے ساتھ بغض رکھتا تھا ۔ یا آپؐ کے اتباع کے وجوب کا منکر تھا۔ یا آپ کے دین کی توہین پر مسرت کا اظہار کرتا تھا ۔ یا آپ کے دین کے غالب آنے کو بُرا سمجھتا تھا اور اس طرح کے دوسرے نظریات ۔ تو ایسے نظریات کا حامل انسان اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا منافقت کی ایسی قسم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھی بلکہ بعد میں آپ کے دور سے بھی زیادہ تھی کیونکہ ایمان کے تقاضے آپ کے عہد میں زیادہ قوی تھے ۔

نفاق

تو جب ایمان کی قوت کے ساتھ ساتھ نفاق اس وقت بھی موجود تھا تو آپ کے دور کے بعد اس کا وجود بدرجۂ اولیٰ ہو گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض منافقین کو جانتے اور بعض کو نہیں جانتے تھے ، جیسے کلام اللہ نے بات واضح کر دی ہے ۔

''ومن حولکم من الاعراب منافقون و من اھل المدینة مردواعلی النفاق لا تعلمھم'' نحنُ نعلمھم (سورة التوبه: ۱۰۱)

اور تمہارے گرد و نواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تم انہیں نہیں جانتے ، ہم جانتے ہیں ۔

زنادقہ

اس طرح آپ کے بعد آپ کے خلفاء اور وارثین بعض منافقین سے واقف تھے اور بعض کو نہیں جانتے تھے ۔ اور عامۃ الناس میں اسلام کی طرف نسبت رکھنے والوں میں منافقین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی ، یہ خاص لوگوں میں بھی تھی اور عام لوگوں میں بھی اورانہیں "زنادقہ" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ علماء نے ظاہری طور پر ان کی توبہ قبول ہونے میں اختلاف کیا ہے ۔ اس لیے ان کی پہچان مشکل ہے اورایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ اسلام کا اظہار کرتے رہے ہیں ۔ ایسے لوگوں کی تعداد منجمین کی نسبت فلاسفہ میں زیادہ ہے ۔ پھر اطباء میں بھی موجود ہیں پھر ادباء میں نسبتاً کم ہیں ۔ لیکن اہلِ بدعت کے فرقہ میں یہ بکثرت پائے جاتے ہیں ۔ خصوصاً "رافضہ" میں ۔ ان رافضہ میں زنادقہ اور منافقین کی اتنی تعداد ہوتی ہے جو کسی دوسرے مذہبی فرقے میں نہیں ہوتی ، اس لیے خُرمیة (۱)، باطنیہ ، قرامطہ، نصیریة اور اس جیسے فرقے منافقین زنادقہ ہیں جو رافضہ کی

۱۔ بابک خرمی کی طرف منسوب ہیں ۔ خُرمی خرمتہ کی طرف منسوب ہے ۔ ایران کے قریب ایک

طرف منسوب ہیں ۔

حالات حاضرہ میں ایسے منافقین اکثر و بیشتر تاتاریوں کی سلطنت کی طرف مائل ہیں کیونکہ انہیں شریعت اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں ۔ بلکہ ایسے حالات میں وہ اہلِ اسلام اور اس کے متعلقین کو چھوڑ دیتے ہیں ۔ ان میں سے بعض تو تاتاریوں سے نفرت بھی کرتے ہیں ، ان کی دنیاداری میں بُری سیرت کی وجہ سے ، مالوں پر غاصبانہ قبضے ، خون ریزی پر دیدہ دلیری اور لوگوں کو قیدی بنانے کے سبب سے نہ کہ دینداری کی وجہ سے پس یہ نفاق کی سب سے بڑی قسم ہے ۔

منافقت کی نشانی

جہاں تک چھوٹے نفاق کا تعلق ہے تو وہ اعمال میں پایاجاتاہے ۔ مثلاً جب منافق بات کرے جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرتا ہے اور جب امانت رکھی جائے خیانت کرتاہے یا جب بحث مباحثہ کرے بدزبانی کرتا ہے ۔ صحیحین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ۔ آپ نے فرمایا:

آیة المنافق ثلاث : اذا حدّث کذب واذاوعداخلف واذئتمن خان و فی روایة صحیحة : و ان صَلّی ، وصام وزعم انه مسلم»

منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے جھوٹ بولے ، جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے ، جب امانت رکھی جائے خیانت کرے ۔ خواہ وہ نماز بھی پڑھے ، روزہ بھی رکھے اور یہ گمان کیوں نہ کرے کہ وہ مسلمان ہے ۔

صحیحین میں ہے حضرت عبداللہ بن عمروؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا:

''اربع من کن فیه کان منافقاً خالصا ومن کانت فیه خصلة منہن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها: اذا حدث کذب ، واذا

وعدا خلف واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر''۔

جس آدمی میں چار (خصلتیں) پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان خصلتوں میں سے ایک ہو تو اس کے اندر منافقت کی ایک خصلت ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے: جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے، جب عہدوپیمان کرے بے وفائی کرے اور جب جھگڑا کرے بدزبانی کرے۔

جہاد سے جی چرانا

جہاد سے جی چرانا بھی منافقت کے ہی باب اور منافقین کی نشانیوں میں سے ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من مات ولم یغزو ولم یحدث نفسه بالغزومات علی شعبةٍ من نفاقٍ'' (رواہ مسلم)

جو آدمی دنیا سے اس حالت میں اٹھ جائے کہ اس نے نہ جہاد میں حصہ لیا اور نہ اس کے دل میں جہاد میں شریک ہونے کا جذبہ پیدا ہوا تو اس کی موت نفاق کے ایک شعبہ پر ہوئی۔

سورۃ براءت

اللہ تعالےٰ نے سورہ "براۃ" نازل کی جس کا نام "فاضحۃ" بھی ہے اس لیے کہ اس نے منافقین کو ذلیل و رسوا کیا۔ ابن عباسؓ سے صحیحین میں مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ھی الفاضحة، مازالت تنزل (ومنھم، ومنھم) حتی ظنوان لایبقیٰ احدٌ الاّ ذکرفیھا''

یہ سورۃ ذلیل کرنے والی ہے (منافقوں کو) جب تک نازل ہوتی رہی "ومنھم" "ومنھم" کے الفاظ کے ساتھ حتّٰی کہ منافقین گمان کرتے تھے کہ کوئی ایسا منافق

باقی نہ رہے گا کہ یہ سورت اس کا ذکر کرے گی

حضرت مقدادؓ بن الاسود سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ھی سورۃ البحوث ، لا نھا بحثت عن سرائر المنافقین''

یہ سورۃ "تفتیش کرنے والی" ہے کیوں کہ یہ منافقین کے بھیدوں اور رازوں سے پردہ چاک کرنے والی ہے ۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ھی المثیرۃ'' ۔ لانّھا أثارت مخازی المنافقین''

یہ "تفتیش برقرار رکھنے والی" ہے کیونکہ اس نے منافقین کی رسوائیوں کو محفوظ کر لیا ہے ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ھی المبعثرۃ'' والبعثرۃ والاثارۃ متقاربان و عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ''انّھا المقشقشۃ'' لانھا تبرئ من مرض النفاق ، یقال : تقشقش المریض اذابرأ''۔

یہ "رازوں کو محفوظ کرنے والی ہے"۔ بعثرۃ اور 'اثارۃ' دونوں متقارب ہم معنیٰ الفاظ ہیں ۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

یہ سورۃ "شفا دینے والی ہے"۔ کیونکہ یہ مرض نفاق سے شفا دیتی ہے کہا جاتا ہے۔ "تقشقش المریض" مریض صحت یاب ہوگیا ۔

اصمعی نے کہا:

وکان یقال لسورتی الاخلاص (۱):

---

۱ - یہ سورتیں قل یاایھا الکافرون ، قل ھو اللہ احد کیوں کہ پہلی توحید الوحیت کو خالص کرتی ہے تو دوسری توحید الاسماء والصفات کو خالص کرتی ہے ۔

"المقشقشتان" اخلاص کی دونوں سورتوں کو "المقشقشتان" کہا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں نفاق سے انسان کو محفوظ و مامون رکھتی ہیں ۔

یہ سورۃ (براۃ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری غزوہ "غزوہ تبوک" کے بارے ۹ھ میں نازل ہوئی ، اس وقت اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا ، اسلام کو عزت میسر آئی تھی ۔ اس سورت میں اللہ تعالے نے منافقین کے احوال کو کھول دیا ، انھیں بزدلی ، ترک جہاد ، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بخل اور مال کے لالچ سے متصف ٹھہرایا ۔

بڑی بیماریاں

"بزدلی" اور "بخل" دو بہت بڑی بیماریاں ہیں ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''شرُّ ما فی المرء شحٌّ هالعٌ ، وجبن خالعٌ'' (حدیث صحیح) ۲

انسان میں دو شر ہیں انتہائی بخل اور انتہائی بزدلی ۔

لہٰذا یہ دونوں بیماریاں ایسے بڑے کبیرہ گناہ ہیں جو دوزخ کو لازم کر دیتے ہیں ۔ اس پر اللہ تعالےٰ کا فرمان دلالت کرتا ہے:

''لایحسبن الذین یبخلون بما آتاهم الله من فضله هو خیراً لهم بل هو شرٌّ لهم سیطوقون ما بخلوا به یوم القیامة'' (آل عمران: ۱۸۰)

جو لوگ اس مال میں جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے ، بخل کرتے ہیں ، وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں (وہ اچھا نہیں) بلکہ ان کے لیے برا ہے وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں ۔ قیامت کے دن اس کا طوق

---

۲ - مسند احمد عن ابی داؤد عن ابی ہریرہؓ ۔ ابن کثیر نے سورۃ المعارج میں "اِنّ الانسان خلق هلوعا" کی تفسیر میں یہ حدیث بیان کی ہے ۔

بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔

اور ''ومن یولھم یومئذٍ دبرہ الامتحرفاً لقتال او متحیزاً الیٰ فئۃٍ فقد بآء بغضب من اللہ ومأ واہ جھنم وبئس المصیر'' (انفال: ۱۶)

اور جو شخص جنگ کے روز اس صورت کے سوا کہ لڑائی کے لیے کنارے کنارے چلے یعنی حکمت عملی سے دشمن کو مارے یا اپنی فوج میں جا ملنا چاہے ان سے پیٹھ پھیرے گا تو سمجھو کہ وہ خدا کے غضب میں گرفتار ہوگیا ۔ اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے ۔

اور جہاں تک (اللہ نے) انہیں بزدلی اور جزع فزع سے متصف ٹھہرایا تو فرمایا:

ویحلفون باللہ إنھم لمنکم وماھم منکم ولٰکنھم قوم یفرقون ، لو یجدون ملجأً أو مغاراتٍ او مدّخلاً لولوا الیہ وھم یجمحون''

(سورۃ برأۃ: ۵۶ ، ۵۷)

اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں ۔ اصل یہ ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں اگر ان کو کوئی بچاؤ کی جگہ جیسے قلعہ یا غار یا زمین کے اندر گھسنے کی جگہ مل جائے تو اس طرف رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ جائیں گے ۔

اللہ تعالےٰ نے خبر دی ہے کہ اگر یہ قسمیں بھی کھائیں کہ وہ مؤمنین ہیں تو یہ مؤمنین نہیں ہو سکتے لیکن یہ دشمن سے ڈرتے ہیں ۔ اگر انہیں کوئی پناہ گاہ مل جائے تو یہ ان قلعوں اور پناہ گاہوں میں چھپ جائیں گے کیونکہ جہاد سے فرار حاصل کرنے والے انہی میں پناہ لیتے ہیں ۔

لفظی معانی

''مغارات'' جمع ہے ۔ ''مغارۃ'' کی ۔ مغارات اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں داخل ہونے والا اس طرح چھپ جاتا ہے جس طرح پانی (غاروں) میں چھپ جاتا

ہے۔

مُدّخلاً ۔ وہ ہوتا ہے جو بتکلف کسی جگہ میں داخل ہوتا ہے یا تو داخل ہونے کے لیے دروازہ بہت تنگ ہوتا ہے یا کسی دوسری وجہ سے داخل ہونا بہت مشکل ہوتا ہے اگرچہ ایسی جگہ میں داخل ہونا تکلیف اور مشقت سے ہی کیوں نہ ہو وہ جہاد سے دوڑ کر اس میں داخل ہوتے ہیں "وھم یجمحون" یعنی انتہائی سرعت سے (دوڑتے ہوئے) اس میں گھس جاتے ہیں انہیں کوئی چیز لوٹانے والی نہیں ہوتی ۔ جیسے کہتے ہیں "الفرس الجموح" (تیز گھوڑا) جب وہ حملہ آور ہوتا ہے تو لگام کی پرواہ نہیں کرتا اور یہ صفت ہمارے اس حادثہ (تاتار) میں اکثر لوگوں پر اسی طرح منطبق ہوتی ہے جس طرح اس سے پہلے حادثوں پر منطبق ہوئی اور مستقبل میں بھی اسی طرح منطبق ہوتی رہے گی ۔

سورۃ محمدؐ میں بھی آیا ہے:

''فاذا انزلت سورة محكمة و ذكر فيها القتال رأيت الذين فى قلوبهم مرض'' ۔ ينظرون اليک نظر المغشى عليه من الموتِ فاولىٰ لهم''۔ (آیۃ نمبر : ۲۰)

لیکن جب کوئی صاف معنوں کی سورت نازل ہو اور اس میں جہاد کا بیان ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تو ان کو دیکھو کہ تمہاری طرف اس طرح دیکھنے لگیں گے جس طرح کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو رہی ہو سو ان کے لیے خرابی ہے ۔

یعنی ان کے لیے دوری ہے:

''طاعة وقول معروف ، فاذا عزم الامر فلو صدقو الله لكان خيراًلهم'' (سوره محمد: ۲۱)

(خوب کام تو) فرمانبرداری اور پسندیدہ بات کہنا ہے پھر جب جہاد کی بات پختہ ہو گئی تو اگر یہ لوگ اللہ کے سچے رہنا چاہتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

انّما المؤمنون الذین آمنوا باللہ، ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولٰئک ھم الصادقون''
(الحجرات: ۱۵)

مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے لڑے ۔ یہی لوگ ایمان کے سچے ہیں ۔

مؤمنین کی صفات

ان آیات میں مؤمنین کو صرف ''ایمان اور جہاد'' کی صفات سے متصف ٹھہرا دیا ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''لا یستاذنک الذین یؤمنون باللہ والیوم الآخر ان یجاھدوا باموالھم وانفسہم واللہ علیم بالمتقین انّمایستاذنک الذین لایؤمنون باللہ والیوم الآخر و ارتابت قلوبھم فھم فی ریبھم یتردّدون''
(سورۃ براۃ : ۴۴،۴۵)

جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ تو تم سے اجازت نہیں مانگتے کہ پیچھے رہ جائیں بلکہ چاہتے ہیں کہ اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور اللہ پرہیزگاروں سے واقف ہے ۔ اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں ۔ سو وہ اپنے شک میں ڈانواںڈول ہو رہے ہیں ۔

اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ خبر دی گئی ہے کہ مؤمن جہاد کو چھوڑنے کی اجازت کبھی طلب نہیں کرتا۔ صرف جہاد سے وہ جی چراتا ہے جو مؤمن نہیں ہوتا ۔ پس وہ آدمی (کیونکر مؤمن ہو سکتا ہے) جو بغیر اجازت جہاد سے بھاگ جائے ۔ جو بھی قرآن مجید پر غور و فکر کرے گا وہ ایسی مثالیں قرآن مجید میں جگہ جگہ

پائے گا ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے بخل کی صفت کو یوں بیان کیا ۔

''وما منعهم ان تقبل منهم نفقاتهم الا انهم كفروا بالله و برسوله ولايأتون الصلاة الّاوهم كسالى ولاينفقون الّاوهم كارهون''

(براۃ: ۵۴)

اور ان کے خرچ (اموال) کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی سوا اس کے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر کیا اور نماز کو آتے ہیں تو سُست و کاہل ہو کر اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔ پس یہ تو حالت اور کیفیت ہے ان لوگوں کی جو بادل نخواستہ خرچ کرتے ہیں اور ان لوگوں کی کیفیت کیا ہو گی جو سرے سے (اللہ کی راہ میں) خرچ ہی نہیں کرتے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ومنهم من يلمزك فى الصدقات فان اعطوا منها رضوا وان لم يعطوا منها اذاهم يسخطون'' (براۃ: ۵۸)

اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ تقسیم صدقات میں تم پر طعنہ زنی کرتے ہیں اگر ان کو اس میں سے خاطرخواہ مل جائے تو خوش رہیں اور اگر (اس قدر) نہ ملے تو جھٹ خفا ہو جائیں ۔

''ومنهم من عاهدالله لئن آتانامن فضله لنصدقنّ ولنكوننّ من الصالحين ، فلما آتاهم من فضله بخلوابه وتولواوهم معرضون''

(سورۃ براۃ : ۷۶۔۷۵)

اور ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہم کو اپنی مہربانی سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکوکاروں میں ہو جائیں گے ۔ لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بُخل کرنے لگے اور اپنے عہد سے روگردانی کر کے پھر بیٹھے ۔ پھر

فرمایا:

''یاایھا الذین آمنو ان کثیراً من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولاینفقونھا فی سبیل اللہ فبشر ھم بعذاب الیم ، یوم یحمیٰ علیھا فی نارجھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھور ھم ھذا ماکنزتم لا نفسکم فذوقواما کنتم تکنزون'' (براۃ : ۳۴۔۳۵)

مومنو! اہلِ کتاب کے بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے اور ان کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو اس دن کے عذاب الیم کی خبر سنا دو ، جس دن وہ (مال) دوزخ کی آگ میں خوب گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو

ان آیات نے ان لوگوں کے حال کو ظاہر کر دیا ہے جو بغیر حق کے مال جمع کرتے ہیں ، یا اس کے مستحق لوگوں کو نہیں دیتے ۔ "الاحبار" سے مراد علماء ہیں ۔ "الرھبان" سے مراد "عابد و زاھد" لوگ ہیں اور اللہ نے خبر دی ہے ان میں سے اکثر و بیشتر لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھا جاتے ہیں اور لوگوں کو "یصدون" اللہ کی راہ سے گمراہ کرتے ہیں ، روکتے ہیں ، منع کرتے ہیں ۔

اس حیثیت میں وہ تمام مال آ جاتے ہیں جو جھوٹے طریقوں سے کھائے جاتے ہیں ،خواہ وہ وقف کی شکل میں ہوں ، دینی عطیہ کی صورت میں ہوں یا وہ نذریں اور نیازیں ہوں جو اہلِ دین کے ناموں پر چڑھائی جاتی ہیں یا ایسے مشترک مال جیسے بیت المال وغیرہ ۔ پس یہ تو ان لوگوں کی بات ہے جو دین کے ناطے باطل طریقوں سے مال کھاتے ہیں ۔

پھر اثنائے قول میں فرمایا:

''وبشرالمؤمنین بأن لهم من الله فضلاً کبیراً ولا تطع الکافرین والمنافقین''   (احزاب : ۴۷ ـ ۴۸)

پھر فرمایا:

''واتبع مایوحیٰ الیک من ربک اِنَّ الله کان بماتعملون خبیراً وتوکل علی الله وکفیٰ بالله وکیلا''

اے پیغمبر اللہ سے ڈرتے رہنا کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے اور منافقوں اور کافروں کا کہا نہ ماننا ۔

یہ جو فرمایا:

''والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله ـ''

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ۔

اس میں وہ سب لوگ شامل ہو جاتے ہیں جو مال خزانہ کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاں خرچ کرنا واجب ہے ، خرچ نہیں کرتے ۔ ''سبیل اللہ'' کی مد میں سب سے زیادہ شامل کی جانے والی مد ، عملِ جہاد ہے اور یہ سب پر فرض ہے خواہ وہ بادشاہ ہو ، رعایا ہو ، غنی ہو یا فقیر ، (سب کے لیے خرچ کرنا لازم ہے)

پس جب ذخیرہ شدہ مال میں موروثی یا ذاتی کمائی سب کچھ شامل ہے ۔ تو وہ مال جو ساری امت کے مشترکہ مال ہوں اور ان کی سب سے زیادہ مستحق امت ہی ہو تو پھر جو اسے خزانہ کرے اور عوام الناس کی اصلاح پر خرچ نہ کرے تو وہ اس عذاب کا کیونکر زیادہ مستحق نہ ہو گا ۔ (جس کا ذکر آیت مذکورہ میں موجود ہے) ۔

مومن اور منافق کے مابین فرق اور ان کی صفات واضح ہو گئیں ، جو انسان

سورۃ الاحزاب ، پڑھے گا ، احادیث ، تفسیر ، فقہ اور غزوات کے ذریعے قرآن مجید کے نزول کے پس منظر سے پوری طرح باخبر رہے گا ، پھر اس حادثہ (حملۂ تاتار) کو اس پس منظر میں جانچے گا تو اسے پتہ چلے گا کہ واقعی جیسا ہم نے ذکر کیا ہے دونوں کا ایک ہی مصداق ہے ۔ یہ حقیقت ہے اس حادثہ میں بھی لوگ اسی طرح تین قسموں میں تقسیم ہو گئے ہیں جس طرح (عہدِ رسولؐ میں) تقسیم ہوئے تھے اور اسے اس واقعہ میں بہت سے مشترک پہلو نظر آئیں گے ۔

اللہ تعالےٰ نے "سورۃ الاحزاب" کا آغاز اس طرح کیا ہے :

''یا ایها النبی اتّق الله ولا تطع الکافرین والمنافقین'' (الاحزاب:۱)

اے پیغمبر اُس کی پیروی کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے ۔ بیشک اللہ جو کام تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے اور اللہ پر توکل کیجئے اور اللہ بہترین کارساز ہے ۔

جہاد ، توحید و توکل

اللہ تعالےٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف کتاب و حکمت جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے اس کے اتباع کا حکم دیا ۔ حکمت ، سنت رسول ہے اور یہ بھی حکم دیا کہ وہ صرف اللہ پر توکل کرے ۔

اس لحاظ سے اوّلاً اللہ نے "ایاک نعبد" پر عمل کی تلقین کی ۔

دوسرے اللہ نے "وایاک نستعین" پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی ۔

اور اس جیسا فرمان الٰہی یہ بھی ہے:

''فاعبده وتوکل علیه'' (هود : ۱۲۳) اور فرمان الٰهی ''علیه توکلت والیه أُنیب'' (هود : ۸۸)

تو اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو ۔۔۔ میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔

اگرچہ "توحید الوھیت" استعانت باللہ اور توکل علی اللہ کا حکم دین کے تمام معاملات میں دیا گیا ہے مگر جہاد کے ضمن میں یہ حکم سب سے زیادہ تاکیدی ہے ۔ کیونکہ آدمی کفار اور منافقین سے مقابلے کے لیے ان صفات کا محتاج ہوتا ہے اور اس میں انسان کی فتح اللہ تعالیٰ کی قوی تائید کے بغیر ممکن نہیں ۔ اسی لیے جہاد تمام اعمال کی سنام (سب سے اونچی چوٹی) اور تمام نیک اعمال کی معراج قرار پایا[1]

جہاد محبت کی معراج ہے ، جیسے فرمان الٰہی ہے ۔

''فسوف یأت اللہ بقوم یحبّھم و یحبّونہ أذلّة علی المؤمنین اعزّة علی الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومة لائم''

(المائدہ : ۵۴)

تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں ۔ اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں ۔

---

۱ ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں "میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا ۔ ایک دن چلتے چلتے میں ان کے قریب ہوا ۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی ایسے عمل کی خبر دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کرے اور دوزخ سے دور کر دے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، تو نے بڑی عظیم چیز کے بارے میں پوچھا ہے اور جس پر اللہ یہ بات آسان کر دے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں ۔ تُو اللہ کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا ، تو نماز قائم کر ، زکوٰۃ ادا کر ، رمضان المبارک کے روزے رکھ ، بیت اللہ کا حج کر ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تجھے بھلائی کے دروازوں کی طرف رہنمائی نہ کر دوں ؟ میں نے عرض کیا ضرور یا

جہاد ہی توکل علی اللہ اور صبر کی معراج ہے ۔ کیوں کہ مجاہد باقی تمام لوگوں کی نسبت صبر و توکل کا زیادہ محتاج ہوتا ہے ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''والذین ہاجروا فی اللہ من بعد ماظلموا لنبؤنھم فی الدنیا حسنۃ ولا جرالاخرۃ اکبر لوکانوا یعلمون ، الذین صبروا وعلی ربھم یتوکلون'' (النحل : (۴۱:۴۲)

اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کے لیے وطن چھوڑا ہم انہیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش وہ اسے جانتے ۔ یعنی وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ۔

''وقال موسیٰ لقومہ استعینو باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین'' (الاعراف: ۱۲۸)

رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ ڈھال ہے اور صدقہ و خیرات خطاؤں کو اس طرح ختم کر دیتے ہیں جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور نصف شب آدمی کی نماز ۔ پھر آپ نے یہ آیت تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً وطمعاً و مما رزقناھم ینفقون ، فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون ۔ پڑھی پھر آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں (دین کے معاملے) کی جڑ، اس کے عمود اور اس کی کوہان (چوٹی) کی خبر نہ دوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور! آپ نے فرمایا: اصل بنیاد اسلام ہے ، اس کا عمود نماز ہے اور سب سے اونچی چوٹی جہاد ہے ۔ پھر آپ نے فرمایا : میں ان سب کو حاصل کرنے کا گر نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتائیے ۔ آپ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا ۔ کہا اس کو اپنے خلاف روک کر رکھو ۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی کیا ہم اس چیز کی وجہ سے پکڑے جائیں گے جس سے ہم گفتگو کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں تمہیں گم کر دے ۔ کیا لوگ اپنے نتھنوں اور چہروں کے بل آگ میں نہیں پھینکے جائیں گے؟ مگر اپنی زبانوں کی کاشت کی ہوئی کھیتیوں کی وجہ سے (یعنی زبان کے بے جا استعمال کی وجہ سے ضرور منہ اور نتھنوں کے بل دوزخ میں ڈالے جائیں گے) احمد ۔ ترمذی ۔ نسائی ۔ ابن ماجہ ۔ ترمذی نے کہا حسن صحیح ۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو۔
زمین تو اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے
اور آخر کار بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔

پس "صبر" اور "یقین" یہی دونوں توکل (علی اللہ) کی بنیاد ہیں اور دین
میں امامت کے موجب ثابت ہوتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان اس پر دلالت
کرتا ہے۔

''وجعلنا هم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا
يوقنون'' (الم سجده : ۲۴)

او ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے
تھے۔ جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

لہٰذا جہاد اس ہدایت کا موجب بنتا ہے جو 'ابواب العلم' پر محیط ہے۔
اللہ تعالےٰ کا فرمان اس پر بھی دال ہے۔

''والذين جاهدوا فينا لنهدينهم منهم سبلنا'' (العنكبوت: ٦٨)
''واذا وقع بارض و انتم بها فلا تخرجوا فراراً منه'' ١

اور جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھا دیں
گے۔

جہاد ہی دراصل دنیا کی زندگی اور دار فانی سے زہد (بے رغبت ہونا) اختیار کرنا
ہے۔

جہاد ہی دراصل "حقیقت اخلاص" کا دوسرا نام ہے۔ کیوں کہ فرمانِ الٰہی یہی
ہے کہ جس نے خالصۃً اللہ کی راہ میں جہاد کیا نہ کہ سیادت اور قیادت کی خواہش
میں جہاد کیا نہ مال و دولت کے لیے اور نہ حمیّت کے لیے جہاد کیا اور یہ صفات
صرف اس آدمی میں ہو سکتی ہیں جو اس لیے لڑتا ہے کہ سب دین اللہ کے لیے
ہو اور اللہ تعالےٰ کا کلمہ ہی بلند ہو۔

اخلاص کے مراتب

دراصل اخلاص کے سب سے عظیم مراتب اپنے نفس اور مال کو معبود حقیقی کی بارگاہ میں پیش کرنا ہے ۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون'' (برأۃ : ۱۱۱)

اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اور اس کے عوض میں ان کے لیے بہشت تیار کی ہے یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں"۔

جنّت دراصل اس گھر کا نام ہے جو ہر نعمت کو حاوی ہے ۔ ان نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت "دیدار الٰہی" ہے ان سب نعمتوں کے مقابل پر جسے نفس چاہتے ہیں اور آنکھیں جن سے لذت حاصل کرتی ہیں ، وہ نعمتیں ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں یا نہیں جانتے ۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روایت کی ہے ۔

''اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت، ولااذن سمعت ولاخطر علی قلب بشرٍ''۔

میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے (ایسی نعمتیں) تیارکی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا نہیں ، کسی کان نے ان کی (صفت) نہیں سنی اور ان کاخیال کسی انسان کے دل میں در نہیں آیا ۔

اس سورت کی ان آیات سے آغاز کے بعض اسباب اس طرح واضح کر دئے ۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''یاایھا الذین آمنوا اذکر وانعمۃ اللہ علیکم اذجاء تکم جنود فارسلنا علیھم ریحاً وجنوداً لم تروھا وکان اللہ بما تعملون بصیراً''

(احزاب : ۹)

مومنو! اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس وقت کی جب فوجیں تم پر حملہ کرنے کو آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر نازل کیے جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان کو دیکھ رہا ہے ۔

غزوۂ خندق کا پس منظر

مسلمانوں پر عامۃ المشرکین جو ان کے اردگرد تھے حملہ آور ہوئے اور وہ سب مل کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے کہ مسلمانوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں ۔ قریش اور ان کے حلیف بنی اسد ، اشجع ، فزارہ اور نجد کے دوسرے قبائل جمع ہوئے ۔ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہود جمع ہوئے ، بنی نضیر کو اس سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (مدینہ طیبہ سے) جلاوطن کر دیا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر میں کیا ہے :

''ھوالذی اخرج الذین کفروا من اھل الکتاب من دیارھم لاول الحشر'' (الحشر : ۲)

وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو حشر اول کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا ۔

بنو نضیر لشکر کی صورت میں قریظہ کے پاس آئے ، لیکن بنو قریظہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا ، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی تھے ، مدینہ منورہ کے نواح میں آباد تھے ۔ بنو نضیر پر دباؤ ڈالتے رہے حتی کہ بنو قریظہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ توڑ دیا اور وہ بھی مخالفین کے گروہ میں شامل ہو گئے ۔ یہ سب احزاب اکٹھے ہو کر ایک بہت بڑے لشکر میں ڈھل گئے اور ان کی تعداد مسلمانوں کی تعداد سے کئی گنا زیادہ تھی(۱)۔

---

۱ ۔ قریظہ: یہودیوں کا ایک گروہ ہے جن کا مدینہ کے مشرق کی جانب قلعہ تھا ۔ ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان تھا ۔ ان میں تقریباً ۸۰۰ نفوس لڑنے والے تھے ۔ ان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں اور عورتوں کو مدینہ طیبہ کے قلعوں میں منتقل کر دیا اور ان کی پشت 'سلع' (جو کہ مدینہ طیبہ کے قریب ایک پہاڑ ہے اور مغرب اور شام کی جانب واقع ہے) کی جانب کر دی ۔ اپنے اور دشمن کے درمیان خندق کھود دی ۔ دشمن نے ہر نشیب و فراز سے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا ، دشمن بڑی سخت دشمنی رکھتا تھا ۔ اگر وہ کسی صورت مؤمنین پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا تو مسلمانوں پر یہ بڑی ضرب کاری ہوتی ۔

تطبیق

اس حادثہ (تاتار) میں مغل اور غیر مغل ، ترک ، ایرانی اور مستعربہ اور ان جیسی دوسری قومیں بھی سب جمع ہوگئیں ، عیسائی بھی آ گئے ، ارمن وغیرہ بھی آئے اور دشمن نے مسلمانوں کے شہروں کے قریب پڑاؤ ڈالا ، وہ "اقدام" اور "احجام" کے درمیان ٹھہرے ۔ مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی ۔ دشمن کا مقصد شہر پر غلبہ اور اہلِ شہر کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے مدینہ منورہ کے نواح میں مسلمانوں کے خلاف جنگ احزاب میں لوگ جمع ہوئے تھے ۔ خندق کی لڑائی میں مسلمانوں کا محاصرہ ۲۰ سے کچھ زیادہ راتیں جاری رہا ۔ اس واقعہ میں دشمن نے ۱۷ ربیع الثانی کو دریائے فرات کو عبور کیا اور حلب سے ہوتا ہوا پہلی دفعہ یہاں پہنچا ۔ جب دشمن کے لشکر کا بڑا حصہ قازان اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ لوٹا تو جمادی اولیٰ کی گیارہ یا بارہ تاریخ تھی ، جس روز

کی طرف حیی بن اخطب النضری گیا اس وقت تک انہیں ورغلاتا رہا حتیٰ کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑ دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لشکروں میں شامل ہو گئے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی تعداد تقریباً ۳ ہزار تھی ، اور احزاب ۔ جن کا سردار ابوسفیان صخر بن حرب تھا ، کی تعداد دس ہزار تھی ۔ قریش اور دوسرے لوگوں میں سے جو آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فوجوں کو صف آراء کرنے والا تھا انہیں سلام بن ابی الحقیق و سلام بن مشکم ، کنانہ بن ربیع بنی نضیر میں سے وہ لوگ جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا تھا ۔

مسلمانوں کا لشکر مقبوضہ مصر میں داخل ہوگیا۔ ان کے ساتھ یہ داعی (ابن تیمیہ) بھی آیا اور اس نے اس معاملے میں ان سے خطاب بھی کیا اور جہاں اللہ سبحانہ و تعالےٰ نے مسلمانوں کے دلوں میں عزم و ہمت ڈال دی تھی تو ان کے دشمن کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب اور خوف ڈال کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

خندق کے اس سال بڑی سخت سردی تھی ، ایسی سخت تندوتیز آندھی چلی جس نے مدینہ سے ان احزاب (لشکروں) کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''فارسلنا علیھم ریحاً و جنوداً لم تروھا'' (احزاب : ۹)

تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر نازل کیے جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے۔

بالکل اسی طرح اب کے بھی اللہ تعالےٰ نے سخت سردی پیدا کر دی ، بے پناہ بارش اور سخت برف باری ہوئی جو کہ عام موسمی حالات سے بالکل مختلف تھی حتیٰ کہ بہت سے لوگوں نے اسے ناگوار جانا۔ مگر ہم لوگوں سے کہتے تھے۔ تم اس (خرابی موسم) کو بُرا نہ جانو بیشک اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت پوشیدہ ہے۔

یہ بہت بڑے اسباب تھے جن کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے دشمن کے منہ موڑ دیئے۔ دشمن پر سردی ، بارش اور برف باری بہت زیادہ ہو گئی حتیٰ کہ جیسا اللہ نے چاہا ان کے بہت سے گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ وہ خود بھی ہلاک ہوئے ، جو باقی بچے ان میں سردی اور بھوک کی وجہ سے عجز اور کمزوری پیدا ہوئی اور انہوں نے جان لیاکہ اس قوت (فطرت) کا مقابلہ وہ نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ سرزمین شام سے بعض بڑے بڑے لوگوں کی خبر مجھے پہنچی ہے کہ کسی نے کہا اللہ ہمارے چہروں کو سرخرو نہ کرے۔ ہمارا دشمن بالوں تک برف میں دھنسا ہوا ہے اور ہم یہاں بیٹھے ہیں اور دشمن کو نہیں پکڑتے؟ انہیں یہ بھی علم ہوگیا تھاکہ اب تاتاری مسلمانوں کا شکار ہیں ، کاش وہ ان کا شکار کرتے لیکن اس دیر سے شکار کرنے

میں بھی اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے "احزاب" کے سلسلے میں فرمایا:

''اذجاء وکم من فوقکم ومن کم اسفل منک واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر و تظنون باللہ الظنونا، ھنالک اتبای المؤمنون و زلزلوا زلزالاً شدیداً'' (احزاب : ۱۰)

جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل مارے دہشت کے حلقوم تک پہنچ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے ، وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے

معرکۂ شام

اس سال یہاں بھی ایسا ہوا ۔ دشمن شام کے پہاڑوں کے راستے جو فرات کے شمال کی جانب ہے آیا ، پس آنکھیں پتھرا گئیں اور اس عظیم مصیبت کی وجہ سے جانیں حلقوم تک جا پہنچیں ۔ خصوصاً ان لوگوں کی جنہیں لشکر کے مصر کی طرف رخ کرنے کی خبر پہنچی ، یا دشمن کے قریب ہونے اور دمشق کی طرف متوجہ ہونے کی خبر پہنچی اور لوگوں نے اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان باندھے ۔ کوئی یہ گمان کرتا کہ شام کے لشکروں میں سے کوئی ان (تاتار) کے سامنے کھڑا نہیں ہو گا حتیٰ کہ وہ اہلِ شام کو نیست و نابود کر دیں گے ۔ کوئی یہ سوچتا کہ سرزمین شام اب باقی نہیں رہے گی اور اس مملکت سے اسلام کی عملداری ختم ہو جائیگی ۔ کسی کا یہ خیال تھا کہ تاتار اہل شام کو قیدی بنا کر پھر مصر لے جائیں گے ۔ اس پر بھی غلبہ حاصل کریں گے اور کوئی ان کے مقابل نہ آسکے گا ، پس وہ اپنے جی میں یمن فرار ہونے یا اس جیسی دوسری تراکیب سوچ رہے تھے ۔ کوئی یہ سوچتا تھا کہ جو کچھ خوشخبریاں احادیث وغیرھا میں دی گئی ہیں یہ سب جھوٹی آرزوئیں اور لغو و خرافات ہیں ۔ (نعوذباللہ)

کسی کا حال یہ تھا کہ اس پر پریشانی ، خوف اور رعب کے مہیب سائے

منڈلاتے ہیں اور اس کے دل سے وہم و گمان بادلوں کی طرح گزر جاتے ہیں ۔ (یعنی زیادہ وساوس آتے ہیں) نہ اس کے پاس عقل ہے جس سے وہ سوچ سکے ، نہ زبان کو قوت گویائی ہے ۔ کوئی اس حال میں تھا کہ اس کے پاس نشانیاں باہم متعارض و مخالف ہیں ۔ طرح طرح کے ارادے اس کے سامنے آتے ہیں ، خصوصاً وہ سچی خوشخبری اور جھوٹی خبر میں فرق نہیں کر سکتا اور گفتگو کے دوران صائب الرائے اور غلط آدمی میں تمیز نہیں کر پاتا اور وہ صحابہ کرامؓ کے اقوال کی معرفت علماء کی طرح نہیں رکھتا بلکہ یا تو وہ ان اقوال سے سراسر جاہل ہے اور یا اس نے انہیں سینہ گزٹ کے طور پر سن رکھا ہے پھر وہ اس میں پوشیدہ دلالت و راہنمائی جیسی فہم و فراست سے عاری ہے اور اسے یہ ہدایت بھی نصیب نہیں ہے کہ بادی النظر میں یہ متعارض نظر آتی ہے (حالانکہ ہے نہیں)

پس اس سبب سے جو آدمی ہدایت کے نام سے منسوب ہے اس پر بھی حیرت کا غلبہ ہے اور وہ مختلف آراء کے ساتھ اسی طرح کھیلتا ہے جس طرح بچے کنکریوں سے کھیلتے ہیں ، اس وقت مومنین پوری طرح جھنجھوڑے گئے ، اللہ تعالےٰ نے انہیں ایسی آزمائش (تاتار) میں مبتلاکر دیا جو ان کی خطاؤں کا کفارہ بن سکے ۔ اس کے ذریعے اللہ تعالےٰ ان کے درجات کو بلند کرے گا اور انہیں اس زلزلے سے ایسے جھٹکے ملیں گے جو انہیں اعلےٰ درجات کا مستوجب و مستحق قرار دیں گے۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''واذ یقول المنافقون والذین فی قلوبھم مَرَضٌ ماوعدنا اللہ ورسولہ الاّ غروراً'' (احزاب : ۱۲)

اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا ۔

آزمائش کی اس گھڑی میں مبتلا لوگوں نے (ان وعدوں کے بارے میں جو ان سے کئے گئے تھے) وارثین نبوت ، اہل خلافت اور محدثین سے طرح طرح کی

باتیں کیں اور طعن توڑے حتیٰ کہ ان لوگوں کے لیے اگر کوئی چارہ سازی اور تشفی کا سامان تھا تو وہ صرف اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا ۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''لقدکان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ'' (احزاب : ۲۱)

''تم کو اللہ کے پیغمبر کی پیروی (کرنی) بہتر ہے''

منافقین کے بارے میں تنبیہہ پہلے گزر چکی ہے ۔ جہاں تک ان کے دلوں کے مرض کا تعلق ہے تو اس کا ذکر دوبارہ اس سورت میں کیا ۔

''لئن لم ینتہ المنافقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ'' (احزاب: ٦٠)

اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو مدینے کے شہر میں بُری بُری خبریں اڑایا کرتے ہیں ۔

پھر فرمایا:

''فیطمع الذی فی قلبہ مرض''۔ (احزاب: ۳۲)

وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے ۔

دل کا مرض

اللہ تعالےٰ نے مرض القلب کا کئی مقامات پر ذکر کیا ۔ فرمایا:

''اذیقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض : غرّ ھٰؤلاءِ دینھم''

اس وقت منافق اور (کافر) جن کے دلوں میں مرض تھا کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے ۔

دل کی بیماری کا مسئلہ بدن میں مرض کے مانند ہے جسم میں مرض کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ انسان کا جسم (بغیر موت) صحت ، اعتدال اور توازن سے محروم ہو

جاتاہے۔ یہی حال دل میں مرض سے ہوتا ہے کہ دل اپنی صحت اعتدال اور توازن کھو دیتا ہے اگرچہ دل مرتا نہیں لیکن مرض سے دل کا احساس یا اس کا ادراک مردہ ہو جاتاہے یا دل کا فعل اور اس کی حرکت متاثر ہوتی ہے ۔

جیساکہ اس کی تفسیر میں کہاگیا ہے ۔ مرض القلب سے مراد ۔ ضعف ایمان ہے یا اسے دل کے علم اور اس کے اعتقاد کی کمزوری پر محمول کیاگیا ہے ، یا اس کے فعل اور حرکت کی کمزوری تصور کیاگیا ہے اس تعریف میں وہ آدمی بھی شامل ہو جاتا ہے جس کا ایمان کمزور ہو یا جس پر بزدلی اور گھبراہٹ غالب ہو ۔ پس دل کی بیماریوں میں غیر محرم کی شہوت ، حسد ، بخل اور بزدلی سب شامل ہیں ۔ جہالت اور شکوک و شبہات بھی اسی میں آتے ہیں ۔

انہی معانی کے مطابق اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان ہے :

"فیطمع الذی فی قلبہ مرض"

یہاں مرض سے مراد دراصل ارادۂ فجور اور زنا کی شہوت ہے ۔

جیسا مفسرین نے اس کی تشریح کی ہے ۔ اسی ضمن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا فرمان ہے :

''وایُّ داء ادوی من البخل''؟ (۱)

بخل سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں ۔

اور اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) کو دلوں کی بیماریوں کے لیے شفا قرار دیا ہے ۔

---

۱ - نہایہ میں ہے : کون ساعیب بخل سے زیادہ قبیح ہے ۔ اور صحیح لفظ "أدواء" ہمزہ کے ساتھ ہے ۔ لیکن اس کی اس طرح روایت کی جاتی ہے ۔ ہاں اگر اسے باب "دوی ، یدوی ، دواء ، فھوداؤ" سے تعبیر کیا جائے تو اُس کا معنی یہ ہو گا جب آدمی باطنی مرض سے ہلاک ہو گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''انّما شفاء العی السؤال'' (۲)

بیمار کی شفا سوال کرنے میں ہے ۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں یہ بھی فرماتے تھے ۔

''للّھم انی آعوذبک من منکرات الاخلاق والاھواء والادواء۔''

اے اللہ میں ناپسندیدہ اخلاق ، خواہشات نفس ، جسمانی اور باطنی امراض سے تیری پناہ چاہتا ہوں ۔

امام احمدؒ کا ارشاد

یہ حقیقت ہے کہ آدمی غیر اللہ سے صرف اپنے دل کی مرض کے سبب ڈرتا ہے ۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ، ایک آدمی نے حضرت احمد بن حنبلؒ سے بعض حکمرانوں سے متعلق اپنے ڈر اور خوف کی شکایت کی ۔ آپ نے فرمایا:
اگر تو تندرست ہوتا تو کبھی کسی سے نہ ڈرتا۔ تمہارا ڈرنا صرف تمہارے دل کی صحت کے زوال کی وجہ سے ہے ۔ پس اسی لیے اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں پر واجب کر دیا ہے کہ وہ شیطانی گروہ سے خوف زدہ نہ ہوں بلکہ اللہ تعالےٰ کے علاوہ کسی غیر سے ہرگز نہ ڈریں ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''انّما ذلکم الشیطان یخوّف اولیاءہٗ فلاتخافوھم و خافون ان کنتم مؤمنین'' (آل عمران: ۱۷۵)

یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے ۔ اللہ

۲۔ابو داؤد ، دار قطنی۔

نے بنی اسرائیل کے عامۃ الناس کو عموما اور خاص کر ہمیں تنبیہہ کرتے ہوئے کہا :

یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وا وفوا بعھدی اوف بعھدکم وایّای فارھبون ۔ (البقرۃ : ۴۰)

اے آلِ یعقوب! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا ۔ میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا۔

فرمایا:

''فلاتخشوالناس واخسون'' (المائدہ : ۴۴)

فرمایا :

لئلایکون للناس علیکم حجۃ لاالذین ظلموا منھم فلا تخشوھم واخشونی'' (البقرہ : ۱۵۰)

یہ (تاکید) اس لیے کی گئی ہے کہ لوگ تم کو کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں ، مگر ان میں سے جو ظالم ہیں ، سو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا ۔

''الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون'' (المائدہ: ۳)

آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں سو ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہو ۔

فرمایا :

انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر واقام الصلوٰۃ و آتی الزکوٰۃ ولم یخش الاّ اللہ'' (التوبہ : ۱۸)

اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے ۔

''الذین یبلّغون رسالات اللہ ویخشونہ ولا یخشون احداً الا اللہ'' (الاحزاب : ۳۹)

اور جو اللہ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی چیز سے نہیں ڈرتے۔

فرمایا:

''الا تقاتلون قوماً نکثوا ایمانھم وھمّوا باخراج الرسول وھم بدؤکم اوّل مرّۃ أتخشونھم فاللہ احق ان تخشوہ'' (التوبہ : ۱۳)

بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کے جلاوطن کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور انہوں نے تم سے عہد شکنی کی ابتداء کی کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنے کے سب سے زیادہ لائق اللہ ہے۔

مذکورہ بالا آیت اللہ کے اس فرمان ''اذیقول المنافقون والذین فی قلوبھم مرض'' ۔ کی طرف دلالت کرتی ہے ۔ نفاق اور مرض کا مقام دل ہے جو سچی خبروں کے بارے میں بھی انسان کو شک میں مبتلا کر دیتے ہیں اور یہی (شک۔ ریب) خوف انسان کے کفر کا موجب بن جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اخبار صادقہ کو اپنے لیے محض دھوکہ سمجھتے ہیں(۱)۔ جیسا کہ ہمارے اس سانحہ (تاتار کی یلغار) میں

۱۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لشکروں کے جمع ہو کر مدینہ طیبہ پر حملے کی خبر ملی تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا ۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کی طرف اشارہ کیا ۔جب خندق کھودی جارہی تھی ۔ ایک بہت بڑی چٹان آگئی جسے توڑنے سے سب عاجز آگئے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کدال لی اور چٹان پر کاری ضرب لگائی ۔ پس ایک بجلی سی کوند گئی ۔ آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تمام صحابہؓ نے بھی نعرہ لگایا ۔ پھر دوسری دفعہ اور تیسری دفعہ بھی ایسا ہی کیا صحابہؓ نے آپ سے اس روشنی کے بارے میں پوچھا ۔ آپ نے فرمایا ۔ اللہ نے پہلی ضرب سے مجھ پر حیرہ کے محلات اور

بالکل اسی طرح ہوا جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوا تھا ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''واذ قالت طائفة منهم يا اهل يثرب لامقام لكم فارجعوا''
(احزاب : ۱۳)

اور جب ان میں سے ایک جماعت کہتی تھی کہ اے اہلِ مدینہ یہاں تمہارے ٹھہرنے کا مقام نہیں تو لوٹ چلو ۔۔۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لشکر کو "کوہ سلع" کے پاس جمع کیا اور خندق کو اپنے اور دشمن کے درمیان رکھا ۔ ایک گروہ نے ان میں سے

کسریٰ کے شہر اس طرح روشن کر دئے جس طرح کتے کی داڑھیں عیاں ہوتی ہیں اور جبرئیل نے مجھے خبر دی میری امت ان پر غالب آئے گی ۔ پس تمہارے لیے خوشخبری ہے ۔ دوسری ضرب سے میرے لیے صنعاء (یمن) کے محلات روشن ہوئے گویا وہ کتے کی داڑھوں کی طرح عیاں اور واضح ہیں ۔ جبرئیل نے مجھے خبر دی کہ میری امت ان پر غالب آئے گی سو تمہارے لیے خوشخبری ہے ۔ تیسری ضرب سے اللہ نے میرے لیے سرزمین روم کے سرخ محلات روشن کر دئے وہ بھی کتے کی داڑھوں کی طرح عیاں تھے ۔ جبرئیل نے مجھے خبر دی کہ آپ کی امت ان پر غالب آئے گی ۔ صحابہؓ نے کہا الحمد للہ ۔ سچا وعدہ ۔ جب یہ لشکر نمودار ہوئے تو مؤمنین نے کہا "ھذا ماوعدنا اللہ ورسولہ و صدق اللہ ورسولہ مازادھم الا ایماناً و تسلیما" اور منافقوں نے کہا وہ (نبی) تمہیں خبر دیتا ہے وہ یثرب سے حیرہ اور کسریٰ کے محلات دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ تمہارے لیے فتح ہو جائیں گے اور حالت تمہاری یہ ہے کہ تم خندق کھود رہے ہو اور اس قابل بھی نہیں ہو کہ دشمن کا سامنا کر سکو ۔ تو اللہ تعالےٰ نے آیت نازل فرمائی ۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ معتب ابن قشیر نے کہا: "محمدؐ ہم سے قیصر و کسریٰ اور مکہ کے خزانے فتح کرنے کے وعدے کرتا ہے اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم رفع حاجت کے لیے نہیں نکل سکتے ۔ ہمارے ساتھ یہ فریب کا وعدہ کیا گیا ہے ۔ معتب اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیت "واذ قالت طائفة منهم ۔۔۔" نازل ہوئی اور کہا گیا ہے جس نے کہا "لامقام لکم فارجعوا" وہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا اور لوٹنے سے مراد اپنے پرانے [illegible]

کہا "لامقام لکم ھنا" تمہارے لیے یہاں ٹھہرنا دشمن کی کثرت کی وجہ سے ممکن نہیں ، تم مدینہ کو لوٹ چلو۔

اور یہ بھی کہا گیا "لامقام لکم علیٰ دین محمدؐ" یعنی محمدؐ کے دین پر قائم رہنے میں اب تمہارے لیے کوئی فائدہ نہیں۔

لہٰذا اپنے دین (شرک) کی طرف دوبارہ لوٹ چلو ۔ یہ بھی کہا گیا۔ "لامقام لکم علی القتال" تمہیں اس لڑائی سے کوئی فائدہ نہیں تم پناہ گاہوں میں لوٹ چلو ۔

پس اسی طرح جب یہ دشمن (تاتاری) آیا منافقین میں سے بعض نے کہا "اب دولتِ اسلامیہ کا وجود باقی نہیں رہے گا۔ پس تاتار کی غلامی قبول کر لو ۔ بعض خاص خاص لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا: "ما بقیت ارض الشام تسکن" سرزمین شام اب باقی نہیں رہے گی ۔ ہمیں یہاں سے حجاز ، یمن یا مصر منتقل ہو جانا چاہئیے ۔ بعض نے کہا: مصلحت اسی میں ہے کہ تاتار کے سامنے اسی طرح ہتھیار ڈال دیئے جائیں جس طرح اہلِ عراق نے ہتھیار ڈال دئے ہیں اور ان کے غلبہ کو تسلیم کر لیا ہے ۔

یہ تین قسم کے اقوال اس مصیبت کے وقت کہے گئے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی کہے گئے تھے اور کہنے والے منافقین تھے یا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی ۔ انہوں نے اہل دمشق سے خصوصاً اور اہلِ شام سے عموماً کہا : "لامقام لکم بھذہ الارض" تمہارے لیے اس سرزمین میں ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ۔

"مَقام" کی نفی "مُقام" سے زیادہ بلیغ ہے ۔ اگرچہ مقام ، کو پیش کے ساتھ "مُقام" بھی پڑھا گیا[۱] کیونکہ جو آدمی کسی مکان (جگہ) پر ٹھہرنے کی طاقت

۱۔ بوحیان نے "البحر" میں کہا ہے سلمی، الاعرج ، الیمانی اور حفص نے "میم" کی پیش سے پڑھا ہے۔ احتمال یہ ہے کہ "مکان" ہو یعنی ٹھہرنے کی جگہ نہیں ۔ یہ احتمال بھی ہے کہ "مقام مصدر ہو یعنی "اقامت" نہیں ہے ۔ ابوجعفر، شیبہ، ابورجاء ، حسن، قتادہ ، النخعی ، عبداللہ بن مسلم، طلحہ اور باقی سات قراء نے "زبر" کے ساتھ پڑھا ہے ۔ یہ احتمال بھی ہے کہ "ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے" اور مصدر کے احتمال سے مرا

نہیں رکھتا وہ اس جگہ اقامت پذیر کیسے ہو سکتا ہے؟

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''ویستاذن فریق منھم النبی یقولون انّ بیوتنا عورۃ وما ھی بعورۃٍ ان یریدون الّا فرار'' (احزاب : ۱۳)

اور ایک گروہ ان میں پیغمبر سے اجازت مانگنے لگا اور کہنے لگا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے تو نہ تھے وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

ان لوگوں میں سے جن کی مذمت کی گئی ہے (منافقین) کہہ رہے تھے (جبکہ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سلع میں خندق کے اندر کی جانب تھے اور بچے اور عورتیں مدینہ طیبہ کی پناہ گاہوں میں تھیں) اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے گھر بے حفاظت ہیں (عورۃ) ۔ یعنی عریاں ہیں، دشمن اور گھروں کے درمیان رکاوٹ نہیں ہے ۔ لفظ ''عورۃ'' کی اصل ہے ''خالی''۔ جو حفاظت اور پردے کا محتاج ہو ۔ کہا جاتا ہے ''اعور مجلسک اذا ذھب سترہ''

تمہاری مجلس ''اعور'' ہو گئی جب اس کا پردہ ختم ہو جائے یا اس کی دیوار گر جائے ۔ اسی سے ہی ''عورۃ العدو'' ۔ یعنی دشمن کا بے حفاظت ہونا ہے ۔

مجاہدؒ اور حسنؒ کہتے ہیں:

''ای ضائعہ یخشی علیھا السراق''

یعنی ضائع ہونے والے گھر جن پر چوروں کا خطرہ ہو ۔

قتادہؒ کہتے ہیں: مراد ہمارے گھر دشمن سے بالکل قریب ہیں اور ہمارے اہل و عیال حفاظت میں نہیں ہیں ۔ آپ ہمیں اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کی خاطر گھر جانے کی اجازت دے دیجئے ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ''وما ھی بعورۃ''

تمہارے لیے قیام نہیں، کہا گیا ہے وہ کہنے والا اوس بن قبطی تھا، کہا گیا ہے وہ ''بنو حارثہ'' تھا اور انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے

کریں تو یہ اس پر عمل کریں گے اور بغیر کسی توقف کے ان کی اطاعت کرنے لگیں گے ۔

یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ اگر یہ منافق اور مجرم دشمن ان کے شہروں میں داخل ہوکر ان سے اپنے دین کی موافقت کرنے اور شریعت اسلام کو ترک کرنے کا مطالبہ کرے تو وہ فوراً اس (عظیم فتنہ) پر عمل پیرا ہوں گے ۔ بالکل اسی طرح جس طرح پچھلے سال بہت سے لوگوں نے دین اور دنیا کے فتنوں میں تاتاریوں کی مختلف طریقوں سے مدد کی کبھی ترکِ واجبات کے ذریعے ، کبھی حرام کردہ چیزوں کو استعمال کر کے کبھی حقوق العباد کا لحاظ کیے بغیر ، کبھی نماز ترک کر کے ، شراب پی کر ، سلف صالحین کو گالیاں دے کر ، مسلمانوں کے لشکروں کو گالیاں دے کر ، مسلمانوں کی جاسوسی کر کے ، کبھی مسلمانوں کے مالوں اور ان کے اہل و عیال کی نشاندہی کر کے ، کبھی لوگوں کے مال سلب کر کے ، کبھی انہیں تنگ کر کے اور عذاب دے کر ، کبھی تاتاریوں کی ملعون سلطنت کو تقویت دے کر اور کبھی مسلمانوں کے دلوں کو خوف زدہ کر کے ، انہیں کئی قسم کے فتنوں میں مبتلا کر کے (بھی تاتاریوں کی مدد کی)

پھر فرمایا:

ولقد کانوا عاھدواللہ من قبل لا یولون الادبار وکان عھد اللہ مسئولاً'' (احزاب: ۱۵)

حالانکہ پہلے اللہ سے اقرار کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور جو اللہ سے اقرار کیا جاتا ہے اس کی ضرور پرسش ہوگی ۔

یہ ان اقوام کا حال ہے جنہوں نے نئے و پرانے پیمان (عہدِ وفا) اس غزوہ (خندق) میں توڑ ڈالے ۔

میدانِ جہاد اور موت سے فرار

پچھلے اور اس سال شروع شروع میں لوگوں کی ایک ایسی قسم بھی تھی جنہوں

"وہ (گھر) بے حفاظت نہیں ہیں"۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ان کی حفاظت کرتا ہے۔

"اِن یریدون الا فرارا"

وہ صرف (جہاد) سے فرار چاہتے ہیں ۔ ان کا مقصد تو محض جہاد سے فرار ہے مگر بچوں کا بہانہ بنا رہے ہیں ۔

اسی طرح اس جنگ (تاتار) میں بھی بہت سے لوگوں نے ایسے بہانے بنائے اور سرحدوں سے قلعوں اور پناہ گاہوں کی طرف فرار ہونے لگے ، دور دراز مقامات کی طرف بھاگے جیسے مصر ۔ کہتے یہ تھے کہ اس فرار سے ہمارا مقصود صرف بیوی بچوں کی حفاظت ہے ۔ انہیں کسی غیر کے ساتھ ہم بھیج نہیں سکتے اور وہ سراسر جھوٹ بولتے تھے ۔ ان کے لیے اگر دشمن قریب آ جاتا تو اپنے بچوں کو دمشق کے قلعہ پہنچانا ممکن تھا۔ جیسا کہ رسول کے عہد میں لوگوں نے کیا تھا ۔ ان کے لیے بچوں کو محفوظ جگہ ارسال کرنا اور خود مقامِ جہاد پر ٹھہرنا ممکن تھا۔ لیکن اس آدمی کی کیفیت کیا ہو گی جو اپنے بچوں کو ارسال کرنے کے بعد بھی فرار ہو جائے ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

"ولو دُخلت علیهم من اقطارها ثم سُئلوا الفتنة لآتوها و ما تلبثوا بها الا یسیراً" (احزاب : ۱۴)

اور اگر فوجیں اطراف مدینہ سے ان پر آ داخل ہوں پھر ان سے خانہ جنگی کے لیے کہا جائے تو وہ فوراً کرنے لگیں گے اور اس کے لیے بہت کم توقف کریں گے ۔

شر اور فساد پھیلا کر

اللہ تعالےٰ نے خبردار کیا ہے کہ اگر وہ لوگ مدینہ کے اطراف سے شہر میں داخل ہو کر انہیں فتنہ و فساد (کفر یا نفاق کے ساتھ دین سے خروج) کا مطالبہ

نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ دشمن سے ڈٹ کر لڑیں گیں اور بھاگیں گے نہیں ۔ مگر جب گھمسان کا رن پڑا ، معرکہ کارزار گرم ہوا تو شکست کھا کر بھاگ نکلے ۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''واذاً لاتمتّعون الاقلیلاً'' (احزاب : ١٦)

کہہ دیجئے کہ اگر تم مرنے یا مارے جانے سے بھاگتے ہو تو بھاگنا تم کو کچھ فائدہ نہیں دے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھا سکو گے ۔

اللہ تعالےٰ نے انہیں خبردار کیا ، کہ تمہیں موت یا قتل سے یہ فرار کوئی فائدہ نہ دے گا ۔ پس موت سے فرار تو طاعون سے فرار کی مانند ہے ۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کسی جگہ اگر وہ (طاعون) پھوٹ پڑے اور تم اس سرزمین میں موجود ہو تو وہاں سے فرار نہ کرو ۔

اور موت سے فرار 'جہاد' سے فرار کی مانند ہے ۔ اور حرف ''لن'' مستقبل کے فعل کی بھی نفی کرتا ہے اور 'فعل نکرہ' اور نفی کے ضمن میں تمام افراد کے لئے عام ہے (کسی کے لیے استثنائی صورت نہیں) تقاضا یہ ہے کہ موت یا قتل سے فرار میں کبھی کوئی فائدہ نہیں ۔

اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان سچ ہے ، جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ (فرار) اس کو فائدہ دے سکتا ہے تو اس نے اللہ کو جھٹلایا اور تجربہ قرآن مجید کی دلیل کی تصدیق کرتا

---

١ - امام احمد ، بخاری مسلم اور ابو داؤد سے روایت ہے ۔ نسائی میں عبدالرحمٰن سے روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ''اذا سمعتم بہ بارض فلاتقدموا علیہ واذا وقع وانتم بارض فلاتخرجوا منھا فراراً منہ'' ''جب تم کو یہ پتہ چلے کہ کسی سرزمین میں طاعون پھوٹ پڑا ہے تو اس جگہ نہ جاؤ اور اگر تم خود کسی جگہ موجود ہو اور وہاں طاعون پھوٹ پڑے تو طاعون کی وجہ سے فرار نہ کرو۔'' بخاری شریف میں اسامہ بن زید سے بھی ایسی ہی روایت ہے ۔

ہے کہ وہ لوگ جو امسال لڑائی سے بھاگ نکلے انہیں فرار نے کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ وہ دین و دنیا کے خسارے میں رہے ۔ وہ طرح طرح کے مصائب میں مبتلاہوئے ۔ مگر جو ثابت قدم رہے ان کی ثابت قدمی نے انہیں دین اور دنیا میں فائدہ پہنچایا ۔ حتیٰ کہ وہ موت جس سے وہ ڈر کر بھاگے تھے ، میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے والوں کی نسبت ان بھاگنے والوں پر زیادہ واقع ہوئی ۔ جسے اللہ نے چاہا وہ جنگ میں کام آیا ۔ دشمن کا پیچھا کرنے والوں اور دشمن کو ڈھونڈنے والوں میں سے نہ تو کوئی قتل ہوا ، نہ فوت ہوا بلکہ فرار ہونے والوں کے شہر سے نکل جانے کے بعد شہر میں موت کے واقعات بہت کم ہوئے اللہ کی ماضی و حال مین یہی سنت جاری ہے ۔

اللہ تعالےٰ نے پھر فرمایا:

واذاً لا تمتعون الاّ قليلاً"

(تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤ گے)

اگر فرار تمہارے لیے فائدہ مند بھی ہوا تو تمہیں بہت مختصر مدت کے لیے فائدہ دے گا ، پھر تمہیں موت آئے گی اور موت نہ ٹلنے والی حقیقت ہے ۔

غلط تاویل

کسی احمق کے بارے میں حکایت بیان کی گئی ہے کہ اس نے کہا کہ "ہم وہ تھوڑا فائدہ ہی چاہتے ہیں"۔

آیت کا یہ مطلب لینا جہالت ہے ، اللہ نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ وہ فرار سے تھوڑا فائدہ حاصل کریں گے بلکہ اس نے تو صرف یہ ذکر کیا ہے کہ فرار میں کبھی بھی کچھ فائدہ نہیں ہے ۔

پھر دوسرے جواب کا ذکر کیا ۔ اگر فرار کچھ فائدہ پہنچا سکتا تو اس میں بہت تھوڑا فائدہ ہو گا۔ پھر تیسرے جواب کا ذکر کیا: وہ اسطرح کہ مفرور آدمی کو جو اس کی قسمت میں تکلیف لکھی گئی ہے وہ تو ہر صورت اسے ملتی ہے اور ثابت

قدم کے لیے جو مسرت اس کی قسمت میں لکھی ہے وہ ضرور ملتی ہے ۔
اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''قل من ذالذی یعصمکم من اللہ ان ارادبکم سوأ او ارادبکم رحمۃ ، ولا یجدون لھم من دون اللہ ولیاً ولانصیراً''

(الاحزاب : ۱۷)

(آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو کون تم کو اس سے بچا سکتا ہے یا اگر تم پر مہربانی کرنی چاہے تو کون اس کو ہٹا سکتا ہے یہ لوگ اللہ کے سوا نہ کسی کو اپنا دوست پائیں گے اور نہ مددگار)۔
اس کی مثال جہاد کی آیات کے سیاق میں موجود ہے ۔ مثلاً

''اینما تکونوا یدرککم الموت ولوکنتم فی بروجٍ مشیّدۃ''

(سورۃ نساء : ۷۸)

اے جہاد سے ڈرنے والو! تم کہیں رہو موت تو تم کو آکر رہے گی ، خواہ بڑے بڑے محلوں میں رہو ۔
دوسری جگہ فرمایا:

''یاایھاالذین آمنو تکونواکالذین کفرو او قالوا لاخوانھم اذاضربوا فی الارض اوکانوا غزّیً لوکانوا عندنا ماماتوا وماقتلوا لیجعل اللہ ذلک حسرۃ فی قلوبھم واللہ یحیی ویمیت واللہ بماتعملون بصیر'' (آل عمران: ۱۵۶)

اے اہلِ ایمان ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جو کفر کرتے ہیں اور ان کے (مسلمان) بھائی جب (اللہ کی راہ) سفر کریں او رمر جائیں یاجہاد کریں اور مارے جائیں تو ان کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے ان باتوں سے مقصود ہے کہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کے دلوں میں حسرت پیدا کر دے ، زندگی اور موت تو اللہ ہی دیتاہے اور تمہارے کاموں کو اللہ تعالےٰ دیکھ رہاہے ۔

خلاصہ

خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ موت قطعی اور اٹل ہے ، بس کتنے لوگ ہیں جو میدانِ جنگ مین شریک ہوئے اور صحیح و سالم رہے اور کتنے ایسے ہیں جو موت سے بھاگے مگر موت نے ان کو شکار کر لیا ۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی مثال لیجئے ۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے فرمایا:

"میں فلاں فلاں معرکوں میں جم کر لڑتا رہا ، میرے بدن پر تلوار ، نیزے اور بھالے کے ۸۰ سے کچھ زیادہ زخم ہیں ۔ ہائے افسوس میں بکری کی طرح بستر کی موت مر رہا ہوں ، پس بزدلوں کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہو ، یعنی بزدلوں کو سکون اور چین نصیب نہ ہو"(۱)

---

۱ ۔ اسد الغابہ ، میں ابن اثیر نے روایت کی ہے جب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا توانہوں نے فرمایا: میں سو یا اس سے بھی زیادہ معرکوں میں شریک ہوا ۔ میرے بدن میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں جہاں تلوار یا نیزے اور بھالے کا زخم نہ ہو اب میں گدھے کی طرح بستر پر (طبعی موت) مر رہا ہوں ۔ بزدلوں کی آنکھ نہ لگے ۔ مجھے "لاالٰہ الا اللہ" کی نسبت کوئی عمل زیادہ محبوب نہیں اور میں اسی کلمہ کو ڈھال بناتا ہوں" "العیر" سے مراد "گدھا" ہے ۔ ابن عساکر نے ایسی ہی روایت نقل کی ہے ۔ پھر ایک آدمی نے جو آپ کے پاس تھا ، خالد بن ولیدؓ سے کہا: واللہ میرے لیے یہ بات بڑی دل آزار ہے ، تو اس آدمی نے کہا ، یہ صرف مقررہ وقت پورا ہونے تک ہے ۔ میں اس پر اللہ کی مدد کا طلبگار ہوں ۔ ایک روایت میں ہے ، خالد بن ولیدؓ نے فرمایا: میں نے میدانِ جہاد کی موت (شہادت) طلب کی تھی ۔ لیکن میری قسمت میں طبعی موت لکھی تھی ۔ میرے لیے "لاالٰہ الا اللہ" کے بعد اس سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہ تھا کہ سخت سردی کی رات ہو ، مجاہدین کے دستہ میں شامل ڈھال لیے کھڑا ہوں ، آسمان مجھ پر برس رہا ہو اور میں صبح کے انتظار میں ہوں کہ دشمن پر ٹوٹ پڑوں ، تم پر جہاد لازم ہے ۔ جب میں فوت ہو جاؤں تو میرا گھوڑا اور میرے ہتھیار اللہ کی راہ میں وقف کر دینا"۔

پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''قد یعلم اللہ المعوقین منکم والقائلین لا خوانھم ھلم الینا''
(احزاب : ۱۸)

اللہ تم میں سے ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو (لوگوں کو) منع کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہمارے پاس چلے آؤ ۔

منافق جہاد سے ڈرتے تھے

علماء نے فرمایا ہے منافقوں میں کچھ ایسے بھی تھے جو خندق سے لوٹ کر مدینہ میں داخل ہوئے ۔ جب ان کے پاس کوئی آ جاتا تو وہ اسے کہتے ، تیرا ستیاناس ، بیٹھ جا اور لڑائی کے لیے نہ نکل ۔ یہی بات وہ لشکر میں اپنے بھائیوں کو لکھتے ، تم ہمارے پاس مدینہ میں آ جاؤ ، ہم تمہارے منتظر ہیں۔ وہ انہیں لڑائی سے متنفر کرتے ، وہ خود لشکر میں صرف مجبوراً آتے تھے ۔ لشکر میں اس لیے آتے تاکہ لوگ ان کے چہرے دیکھ لیں (کہ وہ بھی شریک جہاد ہیں) جونہی لوگ ان سے غافل ہوتے یہ مدینہ بھاگ آتے ۔ بعض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے گئے ، اپنے بھائی کے پاس بُھنا ہوا گوشت اور نبیذپائی تو کہا اب ہے ۔ تو یہاں ہے ، جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیزوں اور تلواروں کے درمیان ہیں؟ پھر اسے کہا میری طرف جلدی آؤ ۔ تمہارا اور تمہارے ساتھی کا محاصرہ ہو چکا ہے(۱)۔

جہاد سے متنفر منافقین کی قسمیں

جہاد کے متنفرین ، منافقین کی دو قسمیں بیان کیں ۔ ایک تو وہ ہیں کہ

---

۱ ۔ ابن جریرؒ نے کہا: صحیح بات یہی ہے کہ یہ کہا جائے اللہ تعالےٰ نے انہیں بزدلی اور بخل سے متصف کیا ہے ۔ ان کی حالت اسی طرح ہے جو اللہ تعالےٰ نے بیان کی ہے: "اشحۃ علی المؤمنین بالغنیمۃ والخیر" ۔ (مؤمنین کے لیے مالِ غنیمت اور بھلائی کے بارے میں بخیل ہیں اور مسکین مسلمانوں کے بارے میں خرچ کے لیے دل میں بغض رکھتے ہیں ۔

میدانِ جنگ (لڑائی کا شہر) میں موجود ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو جہاد کی جگہ (شہر) سے دور ہیں ۔ جو شہر میں موجود ہیں وہ تو اپنے قول یا فعل یا دونوں کے ذریعے جہاد میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں اور جو جنگ کے شہر سے دور ہیں وہ خط وکتابت اور پیغامات کے ذریعے ترغیب دیتے ہیں کہ وہ میدانِ جنگ چھوڑ کر ان کے ساتھ محفوظ قلعوں میں آ جائیں ، جیسے کہ غزوۂ خندق میں ہوا ۔ لشکر میں سے اور مدینہ طیبہ سے بعض لوگوں نے لڑنے والوں کے لیے رکاوٹیں کھڑی کیں اور بعض لوگوں نے اپنے بھائیوں کو ان کے ساتھ قلعہ بند ہونے اور محفوظ ہونے کے پیغامات ارسال کیے کہ ہمارے ساتھ آجاؤ ۔ ان لوگوں کے بارے میں فرمایا :۔

''ولایأتون الباس الّاقلیلاً، أشحۃً علیکم''

(الاحزاب : ۱۸ ۔ ۱۹)

اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کم ۔ یہ اس لیے کہ تمہارے بارے میں بخل کرتے ہیں ۔

یعنی تمہارے ساتھ مل کر لڑنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں وہ بخیل ہیں ۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں ، تمہارے ساتھ نیکی اور کامیابی اور مالِ غنیمت کے بارے میں بخیل ہیں ؟ یا اللہ کے فضل کی نسبت مسلمانوں سے بخل رکھتے ہیں کہ اللہ کی مدد اور اس کا رزق مسلمانوں کو کیوں میسر آ رہا ہے ، تو کچھ لوگ اپنے مال اور کچھ اللہ کے فضل و کرم کے بارے میں بخیل ہیں اور وہ حاسدین ہیں ۔

پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

''فاذا جاءالخوف رأیتھم ینظرون الیک تدور اعینھم کالذی یغشی علیہ من الموت'' (احزاب: ۱۹)

پھر جب ڈر کا وقت آئے تو آپ ان کو دیکھئے کہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں اور ان کی آنکھیں اس طرح پھر رہی ہیں جیسے کسی کو موت سے غشی آ رہی ہو ۔

خوف کی اس شدت کی وجہ سے جو ان کے دلوں پر غالب ہے ، ان کی حالت اس آدمی جیسی ہے جو نزع کے وقت مدہوشی کے عالم میں ہوتا ہے کیوں کہ وہ

ڈرتا ہے اور ڈر نے اس کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے ۔ اس کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں ۔ وہ انہیں جھپک نہیں سکتا۔ یہی ان لوگوں کا حال ہے جو قتل سے خوف زدہ ہیں ۔

''فاذا ذهب الخوف سلقوكم بالسنةٍ حدادٍ''

پھر جب خوف جاتا رہے تو تیز زبانوں کے ساتھ تمہارے بارے میں زبان درازی کریں ۔

لغت میں کہا جاتا ہے "صلقوکم" مراد اذیت ناک کلام کے ساتھ آواز اونچی کرنا ۔ اسی سے "الصائقة" ہے ۔ جس سے مراد مصیبت کے وقت آواز بلند کرنا ۔ کہا گیا ہے صلقہ ۔ و سلقہ سلف میں سے ایک گروہ نے "سَلقة" (س) بھی پڑھا ہے لیکن یہ بات قرآن مجید سے خارج ہے ۔ جب کوئی خطیب بڑے زور اور قوت سے خطاب کرے تو کہتے ہیں ۔ "خطیب مسلاق" یعنی جب اپنے خطبہ میں خطیب بہت بلیغ ہو لیکن یہاں "شدت" 'شر' میں ہے خیر میں نہیں ہے ۔ جیسے فرمایا: "بالسنةٍ حدادٍ" اشحة علی الخیر" اور تند و تیز (چیخ) آواز زبانوں کی تیزی کی وجہ سے ہے ۔ یہ کئی وجہ سے ہوتی ہے ۔

منافقین کی منافقانہ باتیں

کبھی تو منافقین مؤمنین سے کہتے ہیں یہ مصیبت تمہاری نحوست کی وجہ سے ہم پر نازل ہوئی ہے ۔ کیونکہ تم نے ہی لوگوں کو اس دین کی طرف دعوت دی ، تم ہی اس دین کی خاطر لڑے اور تم نے لوگوں کی مخالفت کا ڈول ڈالا ، یہ بات منافقین صحابہ کرامؓ کو کہتے تھے ۔ کبھی وہ یہ کہتے ، تمہی نے ہمیں یہاں ٹھہرنے کے لیے کہا ۔ تم نے ہمیں اس وقت اس سرحد کی حفاظت کے لیے کہا ، اگر تم ہمیں ایسا نہ کہتے ہم یہاں سے بہت پہلے چلے گئے ہوتے اور ہمیں یہ تکلیفیں کبھی نہ آتیں ۔ کبھی وہ یہ کہتے ، تم باوجود اپنی قلت اور کمزوری کے دشمن کو شکست دینا چاہتے ہو تمہارے دین نے تمہیں دھوکہ میں مبتلا کر رکھا ہے ، اللہ

تعالےٰ نے فرمایا:

''اذیقول المنافقون والذین فی قلوبهم مرض غرّھؤلاء دینهم ، ومن یتوکل علی الله فان الله عزیز حکیم'' (أنفال: ۴۹)

اس وقت منافق اور کافر جن کے دلوں میں مرض تھا کہتے تھے کہ ان لوگوں کوان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے تو اللہ غالب حکمت والا ہے ۔

کبھی وہ کہتے ، تم مجنوں اور دیوانے ہو ، تمہیں کوئی عقل نہیں ، تم اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بھی ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہو ۔ کبھی بہت زیادہ تکلیف دہ باتیں کرتے ، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کو ملنے والے مالِ غنیمت کے بارے میں بڑے حریص ہوتے ۔ قتادہؒ کہتے ہیں اگر مالِ غنیمت کی تقسیم کا وقت ہوتا ، تمہاری تعریفوں کے پل باندھتے اور کہتے ، ہمیں بھی اس سے حصہ دو ، تم ہم سے کسی صورت بھی زیادہ حق دار نہیں ہو ، لیکن جہاں لڑائی کا معرکہ ہوتا تو سب سے زیادہ بزدل یہی ہوتے ، گویا مالِ غنیمت کے لیے انتہائی حریص اور لڑائی میں سب سے زیادہ بزدل ۔

یہ بھی کہا گیا ہے ، مال پر بہت حریص ، یعنی مال کے بخیل کسی کو اپنے مال و جان سے نفع پہنچانے کے لیے تیار نہیں ۔

''شُحّ'' کی اصل ''شدۃ الحرص الذی یتولد عنه البخل والظلم''

(مال) کی حرص کی ایسی شدت جس سے بخل اور ظلم جنم لیتے ہیں ۔

ظلم کیا ہے ؟ حق سے روکنا اور باطل کا طلب گار ہونا ۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اتقوا لظلم ، فان الظلم ظلمات یوم القیامة ، واتقوا الشح فان الشح اهلک من کان قبلکم ۔ حملهم علی ان سفکو ادماء هم ، واستحلو محارمهم''

ظلم سے بچو بیشک ظلم قیامت کے اندھیروں میں سے ایک اندھیرا ہے ۔
لالچ سے بچو کیونکہ لالچ نے تم سے پہلی قوموں کو ہلاک کر ڈالا ، انہیں اس بات پر اکسایا گیا کہ خون خرابہ کریں اور حرام کو حلال ٹھہرائیں ۔
(ابو داؤد ۔ ابن حبان)

تین اوصاف

ان کے تین اوصاف بیان کیے ہیں:
ایک یہ کہ وہ اپنے فرط خوف کی بناء پر لشکروں کے بارے میں سوچتے ہیں کہ وہ شہر سے واپس نہیں جائیں گے ۔ یہ بزدل کا حال ہے جس کے دل میں مرض ہے ، پس ایسے آدمی کا دل خوف کی خبر کی جلد تصدیق کرتا ہے اور امن کی خبر کو جھٹلاتا ہے ۔
دوسرا وصف یہ بیان کیا کہ جب لشکر آئے تو ان کی تمنا ہوتی ہے کہ کاش وہ مسلمانوں کے درمیان نہ ہوتے بلکہ دیہات میں دیہاتیوں کے ساتھ ہوتے ، تمہارے بارے میں لوگوں سے پوچھتے رہتے کہ مدینہ کی خبر کیا ہے؟ اور لوگوں پر کیسی گزری ؟
تیسرا وصف یہ ہے "جب لشکر آئے وہ تمہارے (مسلمانوں کے) درمیان موجود تھے مگر انہوں نے لڑنے کی بہت کم زحمت گوارا کی ۔
یہی تین اوصاف (جو جنگ احزاب کے وقت منافقین میں تھے) اس غزوہ (تاتار) میں لوگوں پر منطبق ہوتے ہیں ۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''لقدکان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجواللہ والیوم الاخر وذکراللہ کثیراً''۔ (الاحزاب:۲۱)

تمہارے لیے پیغمبر اسلام کی پیروی کرنی بہتر ہے یعنی اس شخص کو جسے اللہ تعالیٰ سے ملنے اور روز قیامت کا یقین ہے ۔
اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا ہے کہ جو لوگ دشمن کے ذریعے آزمائش میں ڈالے

گئے ہیں وہ اسی طرح ہیں جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آزمائش میں ڈالے گئے تھے ، پس ان لوگوں کے لیے اس آزمائش میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے ۔ ان کو بھی اسی طرح تکلیف پہنچی (زخم آئے) جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی تھی ، پس انہیں بھی توکل علی اللہ اور صبر سے تشفی حاصل کرنی چاہئیے اور یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ آزمائش اہلِ آزمائش کیلئے عذاب یا ان کی اہانت ہے ۔ اگر یہ عذاب ہوتا تو اس کے ذریعے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش نہ ہوتی ۔ بلکہ اس آزمائش کے ذریعے تو اللہ تعالےٰ بلند درجات عطا کرتا ہے اور اس آزمائش کے ناطے اللہ تعالےٰ اپنے ، یوم آخرت پر یقین کرنے والوں اور کثرت ذکر کرنے والے بندوں کے گناہوں کو دور کر دیتا ہے ۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر یہ اس آدمی کے حق میں کفار اور منافقین کی طرح عذاب ہوتا ۔

پھر اللہ تعالےٰ نے فرمایا :

''لمارأى المومنون الاحزاب قالوا هذا ماوعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله ، ومازادهم الّا ايماناً وّ تسليماً'' ۔

(احزاب : ۲۲)

جب مومنوں نے کافروں کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی ۔

علماء نے کہا ہے اللہ تعالےٰ نے سورۃ البقرہ میں یہ حکم نازل کیا:

''ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولمّا ياتكم مثل الذين خلوا من قبلكم مسّتهم البأساء والضرّاء وزلزلوا حتّى يقول الرسول والذين آمنو معه ، متى نصرالله؟ الا ان نصرالله قريب'' (بقره : ۲۱۴)

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یونہی) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں) تو پیش آئی ہی نہیں ۔ ان کو بڑی بڑی سختیاں

اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ صعوبتوں میں ہلا ہلا دیے گئے ۔ یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئیگی ؟ دیکھو اللہ کی مدد عنقریب آیا ہی چاہتی ہے ۔

اللہ تعالےٰ نے واضح کر دیا ۔ (اس آدمی کی بات کا انکار کرتے ہوئے جو اس کے خلاف گمان رکھتا ہے)

کہ وہ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ بھی ان پہلی امتوں کی طرح بھوک اور فاقہ (الباساء) سے اور درد و مرض (الضرّاء) اور دشمن کے خوف (زلزال) کے ذریعے آزمائش کی بھٹی میں نہیں ڈالے جائیں گے۔

جب خندق کے سال لشکر آئے اور مسلمانوں نے ان کو دیکھا تو کہا:

''ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ''

(احزاب : ۲۲)

یہ تو وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ کہا تھا۔

انہوں نے جان لیا کہ اللہ نے انہیں آزمائش میں مبتلا کیا تھا اور ان کے اوپر ایسی ہی آزمائش آئی تھی جس کی مثالیں پہلے لوگوں میں گزر چکی ہیں اور اس کے ذریعے ان کا ایمان اور جذبۂ تسلیم و رضا اللہ کے حکم اور اطاعت کے لیے زیادہ ہوگیا ۔ یہی حال اس جنگ میں بھی لوگوں کا ہوا اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا ۔

اللہ نے اسی طرح فرمایا:

''من المؤمنین رجال'' صدقواما عاھدو اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ'' (الاحزاب:۲۳)

مومنوں میں کتنے ہی ایسے اشخاص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہوئے ۔۔۔

یعنی اس عہد کو پورا کیاجو اللہ سے کیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اس وقت تک لڑتا رہا حتیٰ کہ اللہ کی راہ میں جان دے دی یا زندہ رہا ۔

''

النحب کے معنے

"النحب" سے مراد 'نذر' اور 'عہد' ہے ۔ اس کی اصل "النحیب" ہے ۔ جس کا معنیٰ ہے "آواز"۔ اسی سے "الانتحاب فی البکاء" ہے یہ دراصل وہ آواز ہے جس کے ساتھ عہدوپیمان ہوا تھا جب عہدوپیمان ہوا تو ان کی نذر دشمن کے مقابلہ کے وقت صدق ہے ، جس نے دشمن کے مقابلے میں صِدق کا مظاہرہ کیا ۔ پس وہ شہید ہوا ۔ اللہ کے قول "قضیٰ نحبہ" سے یہ مطلب نکلا کہ وہ شہید ہو گیا۔ خاص طور پر جبکہ "النحب" ہر موقع پر سچ کی نذر ہے اور یہ صرف موت سے پوری ہوتی ہے ۔ "قضاء نحب" سے مراد "وعدہ کا ایفاء ہے"۔

جیسے فرمایا:

''من المؤمنین رجال صدقواما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضیٰ نحبہ''

یعنی اس عہدِوفا کو پورا کیا اور یہ وہ شخص ہے جس کا وعدہ مطلقاً موت ، یا قتل سے مشروط تھا ۔

(ومنھم من ینتظر) قضاءہ ، یعنی جب آدمی نے وعدے کا کچھ حصہ تو پورا کر دیا ہو اور باقی عہد کے پورا کرنے کا انتظار کر رہا ہو ۔ "قضاء" کی اصل "الاتمام والاکمال" ۔ کسی چیز کے صحیح معنوں میں تمام و کمال سے ہے ۔

''لیجزی اللہ الصادقین بصدقھم ویعذّب المنافقین ان شاء اویتوب علیھم وکان اللہ غفوراً رحیماً'' (الاحزاب : ۲۴)

تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا چاہے تو ان پر مہربانی کرے بے شک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے ۔

اللہ سبحانہ نے واضح کر دیا ہے کہ اس نے لشکر اس لیے بھیجے تھے تاکہ اہل صدق کو ان کے صدق کا بدلہ عطا کرے ، کہ انہوں نے اپنے ایمان کو سچ کر دکھایا۔

جیسے اللہ نے دوسری جگہ فرمایا:

''انما المؤمنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدو اباموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون۔

(الحجرات : ۱۵)

مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں جان اور مال سے لڑے یہی لوگ ایمان کے سچے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان کو صرف مؤمنین اور مجاہدین میں مخصوص و محدود کر دیا ، اور خبر دی کہ وہ اپنے قول "آمنا" میں سچے ثابت ہوئے ان کا معاملہ ان بدؤں کا سانہ تھا جنہوں نے کہا "آمنا" اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا تھا۔

منافقوں کی دو حالتیں

اہل ایمان مطیع و منقاد ہوئے جبکہ منافقین دو حالتوں کے درمیان ہیں یا تو اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے گا ۔ یا وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لیں گے ۔ جنگ خندق اور اس جنگ میں لوگوں کا یہی حال رہا ۔ اللہ تعالیٰ نے (جنگ) کے ذریعے ان کی آزمائش کی تاکہ اہل صدق کو ان کے صدق کا بدلہ دے اور وہ ہیں ثابت قدم و صابرین ، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مددگار ثابت ہوں اور منافقین کو اگر چاہے عذاب دے ، اگر چاہے تو اللہ ان کی توبہ قبول کرے ۔

دعا ہے کہ ان کی توبہ قبول ہو

ہم اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ ان مذمت کیے گئے لوگوں میں سے اکثریت کی توبہ قبول کر لے کیونکہ ان میں ایسے بھی ہیں جو (اپنے گناہوں) پر نادم ہیں اور اللہ کی (تو صفت یہ ہے) وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے ۔

''قد فتح الله للتوبة باباً من قبل المغرب مسيرة عرضه اربعون سنة لايغلقه حتى تطلع الشمس من قبله''

"اللہ نے مغرب کی جانب سے توبہ کا دروازہ کھولا ہوا ہے جس کا عرض (فاصلہ) ۴۰ سال (کی مسافت) ہے ، اسے اس وقت تک بند نہیں کرے گا جبتک سورج اس طرف (مغرب) سے طلوع نہیں ہوتا"۔(۱)

خندق کے دن فرمایا

اہل مغازی نے جن میں ابن اسحٰقؒ بھی ہے لکھا ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن فرمایا:

''الان نغزوهم ، ولايغزونا''

اب ہم دشمن پر حملہ آور ہوں گے ، دشمن ہمارے اوپر چڑھائی نہیں کر سکے گا۔

اس کے بعد نہ قریش ، نہ بنو غطفان ، اور نہ یہود کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی ۔ مسلمانوں نے ان کے خلاف جنگیں کیں ۔ پھرانہوں نے ترتیب وار خیبر اور مکّہ فتح کر لیے ۔۔۔ اسی طرح مغل ، ترک ، ایرانی ، مستغربۃ ، نصاریٰ اور ان جیسے جو خارج از اسلام ہیں انشاءاللہ ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے اور اللہ تعالےٰ ان مسلمانوں میں سے جن کی

---

۱ ۔ ترمذی میں ہے صفوان بن عسالؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "ان قبل المغرب لباباً مسيرة عرضه اربعون عاماً اوسبعون سنة ، فتحه الله عزوجل للتوبة يوم خلق السمٰوت والارض ، فلا يغلقه حتى تطلع الشمس من مغربها" (مغرب کی جانب ایک دروازہ ہے جس کی مسافت ۴۰ یا ۷۰ سال ہے ۔ اللہ نے اسے اس دن سے توبہ کے لیے کھول رکھا ہے جس روز آسمانوں اورزمین کو پیدا کیا یہ اس وقت تک بند نہیں ہو گا جب تک سورج مغرب سے نہ نکل آئے ۔

چاہے توبہ قبول کرے گا ۔ جن کے دلوں میں منافقت کی بیماری یا نفاق کا مرض ہے تاکہ وہ اپنے رب کی طرف رجوع کریں اور اسلام کے بارے میں ان کا گمان ٹھیک ہو اور اپنے دشمن کے خلاف جہاد میں عزیمت پختہ ہو ۔

اللہ تعالےٰ نے انہیں ایسی ایسی نشانیاں دکھائی ہیں جن میں اصحاب بصیرت کیلئے عبرت ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے جیسے فرمایا:

وردّ الله الذين كفروا بغيظهم لم ينالوا خيراً وكفى الله المؤمنين القتال وكان الله قوياً عزيزاً'' (الاحزاب : ۲۵)

اور جو کافر تھے اللہ نے انہیں پھیر دیا وہ اپنے غصے میں بھرے ہوئے تھے کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور اللہ مومنوں کو لڑائی کے بارے میں کافی ہوا اور اللہ طاقتور اور زبردست ہے ۔

اللہ تعالےٰ نے خندق کے سال شدید باد صرصر کے ذریعے لشکروں کو پھیر دیا ، ان کے دلوں میں تفریق ڈال دی حتیٰ کہ ان کا شیرازہ منتشر ہوگیا اور وہ کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے حالانکہ ان کا مقصود مدینہ طیبہ کی فتح رسول اکرمؐ اور صحابہؓ پر غلبہ حاصل کرنا تھا۔ اسی طرح اس دشمن (تاتار) کا مقصد بھی شام کی فتح اور اہل اسلام پر غلبہ حاصل کرنا تھا ۔ اللہ تعالےٰ نے انہیں انہی کے غیظ و غضب میں لوٹا دیا ۔ ان پر سخت برفباری اور بادصرصر کے طوفانی تھپیڑے چلے ، شدید بھوک نے انہیں نڈھال کر دیاجس کی کیفیت صرف اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے ۔

بہت سے لوگ امسال ان موسلادھار بارشوں اور برفباری کو ناپسند کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے کئی بار اچھے موسم کی خواہش کی اور ہم انہیں کہتے رہے : اس موسم میں خیر عظیم ہے ۔ اس ناخوشگوار موسم میں اللہ کی حکمت اور اس کے اسرار ورموز ہیں تم اسے ناپسند نہ کرو ، یہ اس کی حکمت ہی تو تھی کہ کہا گیا ۔ "قازان اور اس کے جنود پر عذاب نازل ہوا حتیٰ کہ انہیں ہلاک کر دیا"

یہ بھی کہا گیا ، ان کی سواریاں چھن گئیں ، مسلمان ان کے ذریعے آزمائش میں ڈالے گئے ۔ یہ دیکھنے کے لیے کون اللہ کے حکم کی اطاعت بجا لاتا ہے اور کون ہے جو اس کی اطاعت سے منہ موڑتا اور دشمن کے ساتھ جہاد سے فرار کرتا ہے ۔

قازان اور اس کے ساتھیوں کا ارض شام اور سرزمین حلب سے کوچ ۱۱ جمادی الاولیٰ سوموار کے روز ہوا جب میں لشکر کے پیچھے پیچھے مصر میں داخل ہوا ۔ میں نے سلطان مصر او رامراء کے ساتھ میٹنگ کی ، اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں میں جہاد کا جذبہ ڈال دیا ، جب اللہ نے مسلمانوں کے دلوں میں استقامت ڈال دی تو دشمن بھاگ نکلا ، یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ان کی نیت خالص ، ہمت صادق کا صلہ تھا کہ اللہ ان کی مدد کرے اگرچہ لڑائی شروع نہیں ہوئی اور دیار بہت دور تھے ۔

دشمن قوتوں میں تفریق

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مغلوں اور کردوں کے دلوں میں تفریق ڈال دی ، آپس میں ان کے درمیان اسی طرح بغض و عناد ڈال دیا جس طرح اللہ نے احزاب کے سال (جنگ احزاب) قریش ، غطفان اور یہود کے درمیان بغض اور عناد ڈالا تھا ۔ جیسے کہ اہل مغازی نے ذکر کیا ہے ۔ یہ جگہ خندق کے قصہ کو وسعت سے بیان کرنے کی متحمل نہیں جو آدمی اس کا مطالعہ کرے گا تو اس کی صحت سے آشنا ہو جائے گا۔ جیسے اہل مغازی میں سے اسے عروہ بن الزبیرؒ ، الزہریؒ ، موسیٰ بن عقبہؒ ، سعید بن یحییٰ امویؒ ، محمد بن عائذؒ ، محمد بن اسحاقؒ اور واقدیؒ وغیرھم نے بیان کیا ہے ۔

لشکر کا کچھ حصہ شام میں باقی بچ گیا ، دمشق کے لشکر کا اکثر حصہ ، حماۃ اور حلب کے لشکر بھی اس کے ساتھ مل گئے ۔ مسلمان پوری طرح تیار رہے ، وہ مسلمانوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھے مگر وہ بہت ہی کمزور ہو چکے تھے ۔ وہ حماۃ کے قریب آئے مگر اللہ تعالےٰ نے انہیں ذلیل و رسوا کر دیا ۔ پھر وہ مسلمانوں کی طرف کبھی نہ بڑھ سکے ۔ مسلمانوں سے کچھ لوگ ان کی طرف بڑھے ، مگر بعض نے ان کے ساتھ موافقت نہیں کی ۔ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں جس طرح غزوۂ خندق میں ہوئی تھیں جب حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے عمرو بن عبدِ ودالعامری کو قتل کر دیا جب اس نے اور چند مشرکین نے خندق کو عبور کیا ۔

یہاں بھی اسی طرح بعض دشمن قریب آتے رہے ۔ مسلمان باوجودیکہ تعداد میں تھوڑے تھے وہ دشمن کو شکست دیتے رہے ، مسلمان آخری حد تک ان کا پیچھا کرتے رہے ۔ انہوں نے دشمن کو دریائے فرات عبور کرتے ہوئے پایا ، دشمن نے مسلمانوں کے پہلے دستے کو دیکھا تو بھاگ نکلا ، مسلمانوں نے ان میں سے کچھ دشمنوں کو غرقاب کر دیا ، دشمن کا دریائے فرات عبور کرنا اور سرزمین شام کو خالی کرنا رجب کے آغاز میں تھا ۔ قازان کے پہلے عبور اور اس عبور کے دوران چھوٹی چھوٹی جھڑپیں اور واقعات ہوتے رہے ۔ ہم نے کئی مرتبہ لڑائی کی نیت سے حلب جانے کا عزم کیا ، مگر جب ہمیں اس بات کی خبر پہنچی کہ مسلمان باقی ماندہ دشمن کے ساتھ لڑنے کو تیار ہیں ، اہل حماۃ اور ان کے ساتھی پوری تیاری میں ہیں ۔ جو دمشق سے ان کے پاس آئے تھے ، وہ سب دشمن کی سرکوبی پر مستعد ہیں تو ہم نے ارادہ ملتوی کر دیا ۔ اس اعتبار سے انہوں نے اجرِ عظیم حاصل کیا۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ جب عزم راسخ ہو ، مسلمان سچے ہوں تو اللہ ان کے دشمنوں کے دل میں رعب ڈال دیتا ہے اور وہ بھاگ جاتے ہیں ۔ لیکن شمال میں چھوٹے چھوٹے شہروں مثلاً "تیسرین" "الفوعۃ" اور "معرۃ مصرین" وغیرہ کو کافی نقصان اٹھانا پڑا ۔

ایمان کا پیام

اس حادثہ (جنگ تاتار) میں ایسے بڑے بڑے امور نمایاں ہوئے جو انسانی سوچ و فکر سے آگے اور عام طور طریقوں سے الگ تھے ، ہر ذی عقل کے لیے یہ

---

۱ ۔ تاءَ کی زیر ۔ پھر 'س' پھر 'ر' کے نیچے زیر بعد میں 'ی' ساکن ۔ حلب کے قریب ایک بڑی بستی ہے "الفوعۃ" 'ف' پر پیش ، بعد میں واؤ ، پھر عین پر زبر ، یہ بھی حلب کی بستیوں میں سے ایک ہے ۔ "معرۃ مصرین" 'م' پر زبر پھر 'ع' م پر زبر ، "مصرین" جمع مصر" اور "مصر" م کی زیر سے ہے ۔ انگلیوں کے پوروں سے اونٹنی کا دودھ نکالنا" ۔ حلب کے نواح میں چھوٹا سا شہر ہے ، حلب کے ضلعوں میں سے ہے ۔

بلت ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کی کس طرح مدد کی ، اس امت کے لیے اس کی کیسی نوازشات ہوئیں ، اللہ نے اس سرزمین کو محفوظ رکھا جس میں جہانوں کے لیے برکت رکھی ۔ اس کے بعد قریب تھاکہ اسلام ۔۔۔ (نعوذباللہ) نیست و نابود ہو جائے ۔

مدد کرنے والے پسپا ہو چکے تھے ان کی کوئی پناہ گاہ نہ تھی ، سب لوگ نہیں جانتے تھے کہ کہاں جائیں ، کس کے پاس پناہ لیں ۔ ظاہری اسباب منقطع ہو چکے تھے ، بڑے جرار لشکر لڈ آئے تھے ، مدد کرنے والی جماعتیں اور گروہ بھاگ نکلے تھے ۔ لیکن آہستہ آہستہ مددگار گروہ ثابت قدم ہوئے ، پاکیزہ دلوں کو یقین اور ایمان کا پیغام آیا ، اللہ تعالےٰ نے غالب آنے والی جماعتوں سے وعدہ پورا کیا ، اللہ تعالےٰ نے ان ظالم و سفاک لشکروں پر اپنے آسمانوں کے دروازے کھول دیے ۔ اپنی آیات باہرہ کے ذریعے حق کو غالب کر دیا ، کتاب و سنت کے ستونوں کو جو گر رہا تھا قائم دائم کر دیا ، دین کے جھنڈے کو اپنی قوت اور اپنی طاقت سے پھر سربلند کر دیا ، اہل کفر اور اہل نفاق کو ذلیل و رسوا کر دیا اور قیامت تک مومنین کے لیے اپنی نشانیاں قائم کر دیں ۔

آئندہ بھی انشاءاللہ ، اللہ اہل ایمان کے دلوں کو سرکشوں کے ساتھ جہاد پر جمع کر کے اس نعمت کو پورا کرے گا اور اپنے اس احسان عظیم کو ہر نعمت اور بخشش کا ذریعہ بنائے گا اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور پکی دعوت کو قائم رکھنے کی بنیاد بنائے گا۔ مؤمنین کے سینوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے پر ٹھنڈا کرے گا ، دور اور نزدیک ہر جگہ (مسمانوں کو) قدم جمانے کی توفیق و تمکن عطا کرے گا، الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیماً"

مؤلف (محمد بن احمد بن عبدالہادی) نے کہا :

میں نے اس خط کا پہلا حصہ قازان اور اس کے لشکر کے کوچ کے بعد لکھا ، جب میں جمادی الاخریٰ میں مصر سے واپس آیا، یہ بات لوگوں میں پھیل گئی تھی کہ دشمنوں سے اب کوئی باقی نہیں رہا۔

پھر حماۃ میں اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے جانے کا قصد کیا۔ امراء کو بھی جہاد پر ابھارنا مقصود تھا۔ پھر ہمیں باقی ماندہ دشمن کے چلے جانے کی خبر ملی، تو میں نے اس خط کو رجب میں مکمل کیا۔ والحمد للہ وحدہ وصلی اللہ علی اشرف الخلق محمد و آلہ وسلم تسلیماً کثیراً الی یوم الدین۔

شیخ الاسلام کی کرامات کا ظہور

قُلْتُ : ۷۰۲ھ ماہ رمضان المبارک کے آغاز میں "شقحب" کا مشہور معرکہ پیش آیا۔ لوگوں کو سخت اذیت اور عظیم مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ اس میں شیخ (ابن تیمیہؒ) کی کرامات اور ان کی دعا کی قبولیت ظاہر ہوئی۔ ان کے جہادِ عظیم، قوتِ ایمان، اسلام کی شدت سے خیرخواہی، ان کے فرطِ شجاعت اور عظیم سخاوت جیسی صفات جو کسی تعریف کی محتاج نہیں تھیں وہ نمایاں ہوتیں۔

قال: میں نے آپ کے بعض ساتھیوں کے لکھے ہوئے خطوط پڑھے اور اُن میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا تھا اور ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو لوگ مسلمانوں کے لشکر میں موجود تھے۔ وہ سب شیخ تقی الدینؒ کی تعظیم اور ان کی محبت پر اکٹھے تھے، آپ کے کلام اور نصیحت کو سنتے، آپ کے مواعظ حسنہ سے نصیحت حاصل کرتے، بعض ان میں سے دین کے مسائل بھی پوچھتے، شام کے بادشاہوں میں سے کوئی ترکی اور کوئی عربی ایسا نہ تھا جو اس مدت میں شیخ کے پاس حاضر نہ ہوا ہو اور اس نے شیخ کے عقیدے اور اصلاح سے حصہ نہ پایا ہو، شیخ کی اللہ، اس کے رسولؐ اور مؤمنین کے لیے خیرخواہی سے متاثر نہ ہوا ہو۔

قال : پھر اللہ نے جیش اسلام ، مصری عوام کو امیرالمؤمنین سلطان الملک الناصر کی معیت میں امراء و اعوان کے ہمراہ، زعماء جیش کی موجودگی میں، مملکت کے عظماء اور مصر کے امراء کے ساتھ ذلیل تاتاریوں سے مقابلے کے لیے کھینچ لیا۔ شیخ ابن تیمیہؒ نے خلیفہ اور سلطان سے ملاقات کی، ارباب حل و عقد اور اعیان و انصار سے ملے۔ دمشق محروسہ کے قریب سے "مرج الصفر" میں تھے۔ ان کے اور تاتار کے درمیان تین گھنٹوں سے کم کی مسافت تھی۔ ابن تیمیہؒ اور شامیوں کے

درمیان سفارشات چلتی رہی، ابن تیمیہؒ کی کوششوں سے سب اس طرح یک جان و دو قالب ہو گئے کہ اس سے پہلے کسی کے ساتھ یہ لوگ جمع نہ ہوئے تھے، سب ایک جگہ پر، ایک دن، ایسے جامع امر کے لیے جو سب کے لیے ایک جیسا تھا، عظیم مہم کے لیے جس میں سب شیخ کی گفتگو سننے کے محتاج تھے، اکٹھے ہو گئے۔ یہ شیخ پر اللہ تعالٰی کی عظیم توفیق تھی جس کی مثال پہلے نہیں ملتی۔ شیخ ابن تیمیہؒ، اُن کا بھائی، اُن کے ساتھی جو ان کے ساتھ شریکِ جنگ تھے، لوگوں کو ثابت قدمی کی دعوتِ دیتے رہے، ان کو اللہ کی مدد کا وعدہ یاد دلاتے رہے، انہیں مالِ غنیمت کی خوشخبری سناتے اور دو نیکیوں میں سے کسی ایک کے حصول کی کامیابی کی امید دلاتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اپنے لشکر کو غالب کیا، تاتاریوں کو تن تنہا شکست دی۔ مؤمنین کی مدد کی (دشمن کا) شیرازہ شکست کھا کر بھاگ گیا، اللہ کا کلمہ بلند ہوا، کفار قوم کی جڑ کٹ گئی۔ والحمد للہ رب العالمین۔ اسلام کا نصرت یافتہ لشکر مقبوضہ دمشق میں داخل ہوا۔ شیخ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہتھیاروں سے لیس موجود تھا۔ شیخ کی بات اونچی ہوئی، اُس کی حجت قائم ہوئی، اُس کی ولایت نمایاں ہوئی، اُس کی سفارش قبول ہوئی، اُس کی دعا قبول ہوئی، اُس کے وجود کی برکت محسوس ہوئی، مکرم و معظم، صاحبِ جاہ وحشت، اُس کی ہر بات نافذ ہوئی، لیکن اس حال میں وہ اپنے مداحوں سے کہتا:

''انا رجل'' ملّة، لا رجل دولة''

میں ملّت کا ایک ادنٰی فرد ہوں میں حکومت کا آدمی نہیں ہوں۔

و آخر و دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والصلوٰة والسلام علیٰ رسوله الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فضیلتِ جہاد — مقامِ شہادت

۱ ۔ عن سہل بن سعدؓ۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رباطُ یومٍ فی سبیل اللہ خیرٌ من الدنیا وما علیہا وموضع سوطِ احدکم من الجنۃِ خیرٌ من الدنیا وما علیہا والروحۃ یروحہا العبد فی سبیل اللہ اُو الغدوۃ خیرٌ من الدنیا وما علیہا ۔ (بخاری ومسلم)

ترجمہ ۔ حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن کی نگرانی (سرحدوں پر) دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے ۔ جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اللہ کی راہ میں ایک شام یا صبح کا سفر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے ۔

۲ ۔ عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،،مثل المجاہد فی سبیل اللہ ۔ واللہ اعلم بمن یجاہد فی سبیل اللہ ۔ کمثل الصائم القائم ، وتکفل اللہ للمجاہد فی سبیلہ إن توفاہ ان یدخلہ الجنۃ أو یرجعہ سالمًا مع اجرٍ او غنیمۃٍ ،، (مسلم شریف)

ترجمہ ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں مجاہد کی مثال (اللہ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے) قائم اللیل اور صائم النہار کی سی ہے ۔ مجاہد فی سبیل اللہ کے لیے اللہ کی ضمانت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ شہید ہو جائے اسے جنت میں داخل کرے یا اسے اجر و ثواب اور مالِ غنیمت کے ساتھ صحیح سالم گھر لوٹا دے

وفی لفظ لہ ۔ تضمن اللہ لمن خرج فی سبیلہ لا یخرجہ إلا جہاد

فی سبیلی وایمان بی وتصدیق برسلی فهو علی ضامن ان ادخله الجنة او ارجعه الی مسکنه الذی خرج منه نائلاً ما نال من اجر او غنیمة۔"

دوسری حدیث کے الفاظ ہیں ۔ جو اللہ کی راہ میں نکلے اللہ اسے ضمانت دیتا ہے کہ اسے صرف میرے راستے میں جہاد نے گھر سے نکالا ہے ۔ اسے صرف مجھ پر ایمان ہے وہ میرے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے پس میں اس کا ضامن ہوں کہ اسے جنت میں داخل کروں یا اسے اجر اور غنیمت کے ساتھ اس کے گھر لوٹا دوں ۔

۳ ۔ عن ابی هریرة رضی قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " ما من مکلوم یکلم فی سبیل الله إلا جاء یوم القیامة وکلمه یدمی اللون لون الدم والریح ریح المسک ۔" (بخاری ومسلم)

ترجمہ ۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس اللہ کی راہ میں جسے کوئی بھی زخم آیا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا۔ اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا اور خوشبو کستوری کی ہوگی ۔

۴ ۔ عن ابی عیسی جبر الانصاری رض قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما اغبرت قدما عبد فی سبیل الله فتمسه النار" (بخاری)

ترجمہ ۔ حضرت ابوعیسیٰ جبر الانصاری رض سے روایت ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے انہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی ۔

۵ ۔ عن ابن عباس رض قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول : عینان لا تمسهما النار عین بکت من خشیة الله وعین باتت تحرس فی سبیل الله (ترمذی)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسولِ اکرمؐ کو فرماتے ہوئے سنا " دو آنکھیں ہیں جنہیں (جہنم کی) آگ نہیں چھوئیگی، ایک وہ جس میں اللہ کے خوف سے آنسو آگئے، دوسری وہ جس نے جہاد میں جاگتے ہوئے رات بسر کی۔"

۶ ۔ عن عثمانؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول حرس لیلۃ فی سبیل اللہ افضل من الفِ لیلۃٍ یُقام لیلُھا ویُصام نھارھا (مستدرک الحاکم)

ترجمہ۔ حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، اللہ کی راہ میں ایک رات کا پہرہ (چوکیداری) ایسی ہزار راتوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ جس میں ساری رات قیام ہو اور سارا دن روزے سے بسر ہو۔

۷ ۔ عن سلمانؓ قال سمعتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول رباطُ یوم ولیلۃٍ خیرٌ من صیام شھرٍ وقیامہ وان مات فیہ جری علیہ عملہ الذی کان یعمل واُجری علیہ رزقہ وامن من الفتان وبعث یوم القیامۃ شھیدًا (مسلم، ترمذی، النسائی، طبرانی)

ترجمہ۔ حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ ایک رات دن کا سرحدوں کا پہرہ ایک مہینے کے قیام اللیل اور روزوں سے بہتر ہے۔ اگر انسان جہاد میں کام آجائے تو اس کا وہ عمل جو وہ کیا کرتا تھا جاری رہتا ہے۔ اس کا رزق بھی جاری رہتا ہے اور وہ قبر اور قیامت کے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے اور قیامت کے دن اسے شہیدوں میں اٹھایا (جائے گا)

شرح
اربعین نووی
مؤلفہ
امام یحیی بن شرف الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ و تشریح
پروفیسر چوہدری عبدالحفیظ
پروفیسر ملک ظفر اقبال
نعمانی کتب خانہ
حق سٹریٹ اردو بازار
لاہور ۲